بیادگار: ہندوستان کی آن کرناٹک کی شان حضرت ٹیپو سلطان شہیدؒ

دینی، علمی، فکری، اصلاحی، ادبی، ثقافتی

جمادی الاولیٰ ۱۴۴۵ھ

ماہنامہ

السلطان

برقی مجلہ

زیر سرپرستی
حضرت مولانا مفتی ثمین اشرف صاحب قاسمی مدظلہ العالی

خلیفہ مجاز: حکیم اختر صاحبؒ حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ العالی

حضرت علامہ قمر الزماں صاحب الہ آبادی مدظلہ العالی امام و خطیب مصلی الجستو ردبئی

زیر نگرانی
حضرت مولانا ڈاکٹر تمیم احمد قاسمی صاحب

چیرمین آل انڈیا تنظیم فروغ اردو۔ ممبر آل انڈیا ملی کونسل چنئی ناظم انجمن قاسمہ چنئی تمل ناڈو

مدیر
محمد مدثر الصالحی

نائب مدیر
مولانا عبدالرزاق صدیقی قاسمی

باسمہ تعالیٰ

دینی، علمی، فکری، اصلاحی، ادبی، ثقافتی

ماہنامہ

السلطان

برقی مجلہ

زیرِ سرپرستی: حضرت مولانا مفتی ثمین اشرف صاحب قاسمی مدظلہ العالی

خلیفہ مجاز: حکیم اختر صاحبؒ حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ العالی

حضرت علامہ قمر الزماں صاحب الہ آبادی مدظلہ العالی امام وخطیب مصلی الحبتور دبئی

زیرِ نگرانی: حضرت مولانا ڈاکٹر تمیم احمد قاسمی صاحب

چیرمین آل انڈیا تنظیم فروغ اردو۔ ممبر آل انڈیا ملی کونسل چنئی ناظم انجمن قاسمہ چنئی تمل ناڈو

مدیر: محمد مدثر الصالحی

نائب مدیر: مولانا عبدالرزاق صدیقی قاسمی

معاونین

اشہد احمد، میسور

ابوبکر صدیق، میوات

سید ایاز، مہاراشٹرا

محمد صابر، تلنگانہ

فہرست عناوین

ووٹ ایک گواہی ہے	از: مدیر	۴
درس قرآن	مولانا منصور صاحب مفتاحی ۔ استاذ مفتاح العلوم میل وشارم	۶
درس حدیث	از مفتی عبداللہ مدبر صاحب قاسمی مہتمم جامعہ عزیزیہ ہنسور تعلق میسور	۹
عمرہ کا مسنون طریقہ اور جدید مسائل نئے انداز سے	محمد نعمان مکی	۱۳
نجات المؤمنین	از: سید محمد علیؒ	۱۵
اسرائیل کا فلسطینیوں پر ظلم وستم	ڈاکٹر تمیم احمد قاسمی ۔ چیرمین ۔ تنظیم فروغ اردو چنئی ٹمل ناڈو انڈیا	۱۹
(مابقیہ) مسلمانوں کے دنیوی مصائب کے دینی اسباب	از: مولانا سید مناظر حسن صاحب گیلانیؒ	۲۲
مسجد اقصی کے حقوق اور فلسطینیوں کی غیرت ایمانی	از: مفتی ابوبکر جابر صاحب قاسمی	۲۴
بہنوں کو میراث سے محروم کرنے کی رسم کی اصلاح	مفتی مبین الرحمن صاحب فاضل جامعہ دار العلوم کراچی	۲۸
ایک خطرناک وبا	مفتی خلیل الرحمن قاسمی برنی امام وخطیب مسجد الفاروق ولیمس ٹاؤن بنگلور	۳۰
قضیہ فلسطین	مولانا عبدالرزاق قاسمی امام وخطیب مسجد ابوذر میسور	۳۳
غیر منقوط منظوم سیرت النبی ﷺ داعیٔ اسلام کے خالق	مسعود حساس کویت	۳۴
سیرت مصطفی: درس ہے رہبری کے لئے	ڈاکٹر محمد خالق ندوی میسور	۳۶
فرض نمازوں کے بعد رسول ﷺ کے معمولات	ڈاکٹر نعیمہ بانو: ایم ایس، ایس نگر میسور	۳۸
تاریخ فلسطین ومسجد اقصی	حافظ محمد مطہر بن حافظ سمیر احمد	۴۰
(مابقیہ) افادات بجنوری (مفتی سلمان صاحب بجنوری)	از: مفتی ندیم علی صاحب قاسمی زمل	۴۳
شیخ المعقولات والمنقولات علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ	از محمد مدثر الصالحی	۴۴

ووٹ ایک گواہی ہے

از: مدیر

ملک کے نظم ونسق کی بقا کے لئے حکومت کا قیام بے حد ضروری ہے کیونکہ جس ملک کے اندر کوئی حاکم نہ ہوتو وہ ملک بدامنی وخانہ جنگی وغیرہ کا شکار ہوجاتا ہے جس سے ملک کی سالمیت درہم برہم ہوجاتی ہے، تو ملک کی بقا کے لئے ملک میں امن وامان کی بقا کے لئے ملک کو حقوق کی پامالی سے بچانے کے لئے ایک ایسے حاکم کی ضرورت ہوتی ہے جو دیانت دار ہو، قوم کا دردمند ہو، قوم کی خوشی کو اپنی خوشی اور قوم کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھنے والا ہو، بلاتفریق مذہب وبلاتفریق مسلک سب پر ایک نظر رکھنے والا ہو، ہمیشہ قوم کے مفاد کے لئے شاداب وکوشاں ہو، ملک میں کسی بھی طریقے کی آنچ نہ آنے دیتا ہو اور ایسے کام کرنے سے احتراز کرتا ہو جس سے ملک ہدف تنقید بنے، جس قوم وملک میں ایسا دردمند دیانت دار حاکم ہوتا ہے وہ ملک ہمیشہ ترقی کی راہ پر گامزن رہتا ہے کامیابی وکامرانی اس کے قدم چومتی ہے، اس لئے ہمیشہ قوم کو چاہئے کہ جب بھی کسی کو حاکم منتخب کرے تو بڑی سوچ بچار کے بعد منتخب کرنا چاہئے تاکہ آئندہ چل کر قوم کو ایک سکون کی راہ ہموار ہو، لیکن آج بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ قوم کا اکثر طبقہ اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیتا اس کو فضول سمجھتا ہے جس کی وجہ سے ملک تنزلی کے غار میں جاگرتا ہے، ہر طرف ظلم وناانصافی کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

اسی کے تحت یہاں پر چند گزارشات قلم بند کئے جاتے ہیں بغور ملاحظہ فرمائے۔

۱۔ اگر یہ اہل اقتدار نے رشوت کی اتنی فراوانی کردی ہے کہ جہاں جائے رشوت کا بازار گرم ہے حکومت کا جو بھی کام لے کر جائے تو کوئی بھی کام اکثر رشوت کے بغیر نہیں ہوتا تو اس وجہ سے دین دار لوگ سیاست میں دخل اندازی کرنے سے کتراتے ہیں کہ اگر ہم سیاست میں شمولیت اختیار کریں گے تو ہم کو بھی جھوٹ بولنا پڑے گا رشوت لینی پڑے گی وغیرہ وغیرہ۔ اب ایک مثال سمجھے کہ اگر ایک گلاس میں گندہ پانی ہے اور اس کو گندہ سمجھ کر چھوڑ دیا جائے تو وہ ہمیشہ گندہ ہی رہے گا لیکن اگر اس میں پاک پانی ڈالتے جائیں گے تو وہ گندہ پانی خودبخود نکل جائے گا اور گلاس میں پاک پانی رہ جائے گا، اسی طرح اگر دین دار لوگ بھی ان قبیح امور کی وجہ سے سیاست سے دور رہے تو سیاست کبھی بھی اس سے پاک نہیں ہوسکتی اگر اس میں شامل ہوئے تو خودبخود سود خور نکلتے جائیں گے جس کی وجہ سے سیاست ایک مہذب سیاست بنجائے گی۔

۲۔ شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس طرح جھوٹی گواہی دینا حرام ہے اسی طرح ضرورت پر گواہی کو چھپانا بھی حرام ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے وَ لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ- وَ مَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ، اور جو شخص گواہی کو چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہوگا۔ تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ ضرورت پر گواہی کو چھپانا حرام ہے اب سمجھے کے ووٹ بھی گواہی کی طرح ہے اور کسی حاکم کو منتخب کرنا یہ ملک کی اہم ضرورت ہوتی اگر ہم اس ضرورت کے وقت اپنا ووٹ ڈالنے کو فضول سمجھ کر ہم ووٹ نہیں ڈالیں گے تو سمجھے کہ ہم کتنا سنگین گناہ کررہے ہیں۔ اس وجہ ہم سب کو چاہئے کہ کسی بھی حالت میں ہمارا ووٹ ضائع نہ ہو۔

۳۔ووٹ کا مسئلہ بڑا نازک ہے اگر غلطی سے تھوڑی سی غفلت بھی برتی گئی تو یہ شعر صادق آسکتا ہے کہ لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی۔لہذا بڑی سوچ و بچار کے بعد جو اہل ہو اسی کو ووٹ ڈالے اگر ہم نا اہل کو ووٹ ڈالیں گے تو یہ ایک جھوٹی گواہی کے مترادف ہوا جو کہ حرام ہے۔۔عام طور پر ہم یہ غلطی کرتے ہیں کہ اگر کوئی ہمارا رشتہ دار الیکشن میں کھڑا ہوتا ہے اور ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کامیاب ہونے کے بعد قوم کی خدمت نہیں کرسکتا لیکن ہم رشتے کا خیال کرتے ہوئے اس کو ووٹ ڈالتے ہیں حالانکہ جب ہم کو معلوم ہے کہ وہ نا اہل ہے پھر بھی اسی کو ووٹ ڈالنا یہ جھوٹی گواہی کی طرح ہوا جو کہ حرام ہے،اس لئے اس میں قوم کا مسئلہ ہے رشتے وغیرہ کا لحاظ رکھنے کے بجائے جو قوم کا ہمدرد ہو اس کو کامیاب کرنے کی کوشش کرے۔

۴۔اور چوتھی اور آخری بات یہ ہے کہ کسی کے نزدیک کوئی معتبر ہوتا ہے اور کسی کے نزدیک کوئی،تو اس وجہ سے ہمارے ووٹ تقسیم ہوجاتے ہیں اور ووٹ کی کمی کی وجہ سے کوئی کامیاب نہیں ہوتا،اس لئے ووٹ ڈالنے سے پہلے سب گاؤں والے یا محلے والے سب مل کر مشورہ کرکے کسی ایک آدمی پر متفق ہوجائے اور جب سب کے ووٹ ایک آدمی کو ملیں گے تو امید ہے کہ ان شاء اللہ وہ کامیاب ہوگا،اور ان شاء اللہ آئندہ چل کر قوم کی بڑے شوق سے خدمت بھی کرے گا۔

درس قرآن

مولانا منصور صاحب مفتاحی۔ استاذ مفتاح العلوم میل وشارم

خذ العفو و امر بالعرف و اعرض عن الجاهلين

ترجمہ: معاف کرنے کو اختیار کیجئے۔ اور نیک کاموں کا حکم دیجئے۔ اور جاہلوں سے اعراض کیجئے

تفسیر: پہلی آیت میں تین باتوں کا حکم دیا اول یہ کہ معاف کیا کیجئے دوسرا یہ کہ بھلائی کا حکم کیجئے اور تیسرا یہ کہ جاہلوں سے اعراض کیجئے۔ اس آیت شریفہ میں مکارم اخلاق بیان فرمائے ہیں۔ (صحیح بخاری)

میں حضرت عبداللہ بن زبیر سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں معافی کو اختیار فرمائیں۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ آیت بالا نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے سوال فرمایا کہ اس آیت کا مطلب ہے کیا؟ حضرت جبریل نے جواب دیا کہ اللہ تعالی نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ پر جو شخص ظلم کرے آپ اس کو معاف فرمائیں۔ اور جو شخص آپ کو نہ دے اس کو عطاء فرمائیں اور جو شخص آپ سے قطع تعلق کرے اس سے تعلق جوڑے (رکھیں) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ کا ہاتھ پکڑ لیا پھر عرض کیا کہ یارسول اللہ مجھے فضیلت والے اعمال بتادیجئے آپ نے فرمایا اے عقبہ جو شخص تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑے رہو اور جو شخص تمہیں نہ دے اس کو دیتے رہو اور جو شخص تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرتے رہو۔

چونکہ انسان کا مزاج میل جول والا ہے اس لئے وہ تنہا نہیں رہ سکتا۔ جب مل جل کر رہے گا تو اپنوں سے اور پرایوں سے، رشتہ داروں سے اور دوسرے لوگوں سے چھوٹوں سے اور بڑوں سے واسطہ پڑے گا۔ جب مخلوق سے تعلق ہوگا تو ان سے تکلیفیں بھی پہنچیں گی اور مزاج کے خلاف بھی باتیں پیش آئیں گی۔ چھوٹوں سے بھی غلطیاں ہوں گی بڑوں سے بھی کوتاہیاں ہوں گی یہ تکالیف ہیں ان پر صبر کرنا اور درگزر کرنا بہت بڑا عمل ہے۔ اگرچہ بعض حالات میں بدلہ لینا بھی جائز ہے۔ لیکن جتنی تکلیف پہنچی ہو اسی۔ قدر بدلہ لیا جاسکتا ہے، اگر زیادتی کردی تو اب یہ خود ظالم ہوجائے گا۔

معاف کرنے کی فضیلت بہت ہے اور اگر کسی موقع پر معاف کرنا حکمت اور مصلحت کے خلاف ہو تو وہ دوسری بات ہے۔ انسان کے نفس میں جو بدلہ لینے کا جذبہ ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے معاف کرنا آسان ہوجاتا ہے، معاف کرنے میں نفس کو تکلیف ہوتی ہے لیکن اس کا اجر بھی بہت ہے اور مرتبہ بھی بہت بڑا ہے اسی لئے تو فرمایا ہے۔ "**فمن عفا و أصلح فاجره على الله**" اور فرمایا - "**ولمن صبر و غفر ان ذلك لمن عزم الأمور**": جو شخص بدلہ لینے پر قادر نہ ہو معاف کردینا اس کیلئے بھی بڑے ثواب کی چیز ہے لیکن جو شخص انتقام لینے کی قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دے اس کا مرتبہ بہت زیادہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ بن عمران {رسول بنی اسرائیل} نے عرض کیا کہ اے رب آپ کے بندوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز کون ہے، اللہ تعالیٰ شانہ نے جواب دیا کہ جو شخص قدرت رکھتے ہوئے بخش دے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو انکے بھائیوں نے کنویں میں ڈال دیا پھر چند ٹکوں کے عوض انہیں بیچ دیا پھر جب برسوں کے بعد میں ان کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم خطا کار تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ "لا تثریب عَلَیۡکُمُ الیومَ لیَغۡفِرُ اللهلکم وھوارحم الراحمین" یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تم پر آج کوئی الزام نہیں، اللہ تعالی تمہارا قصور معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

حضرت عائشہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فحش گو تھے اور نہ بتکلف فحش گوئی اختیار کرتے تھے نہ بازاروں میں شور مچاتے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے بلکہ معاف فرماتے تھے۔ اور درگزر کرتے تھے۔

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ میں نے آٹھ سال کی عمر ہے۔ لے کر دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ آپ نے مجھے کسی ایسے نقصان کے بارے میں کبھی ملامت نہیں فرمائی جو میرے ہاتھوں ہو گیا ہو، اگر آپ کے گھر والوں میں سے کوئی شخص ملامت کرتے تو فرماتے تھے کہ اسے چھوڑو کیونکہ جو چیز مقدر ہو چکی وہ ہونی ہی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کے ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم خادم کو کتنی مرتبہ معاف کریں۔ آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اس نے پھر اپنی بات دہرائی آپ پھر خاموش رہے۔ اس نے تیسری بار پھر سوال کیا تو آپ نے فرمایا روزانہ ستر بار معاف کرو۔

فائدہ: معاف کرنے کی فضیلت اور ضرورت جو اوپر بیان کی گئی۔ اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ بچوں اور خادموں کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے اور ان کی تربیت نہ کی جائے، بلکہ تربیت بھی کی جائے اور درگزر بھی کیا جائے، اگر کوئی سزا دی جائے تو اپنا غصہ اتارنے اور انتقام کے لئے نہ ہو بلکہ انکی خیر خواہی مقصود ہو۔ سوچ سمجھ کر بقدر ضرورت سزا دی جائے۔ اور یہ دیکھ لیا جائے کہ یہ سزا مفید ہوگی یا مضر اگر بچوں پر قابو نہ کیا جائے تو یہ بھی کو نیکی نہیں ہے۔ حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وانفق علی عیالك من طولك ولا ترفع عنھم عصاك ادبا و اخفھم فی اللہ یعنی اپنے عیال پر اپنا اچھا مال خروج کرو اور ان سے لاٹھی اٹھا کر مت رکھو جس کی وجہ سے وہ تمہاری گرفت سے مطمئن ہو جائیں۔ یہ احکام خداوندی فراموش کر دیں اور انہیں اللہ کے احکام وقوانین کے بارے میں ڈراتے رہو۔

امر بالمعروف: آیت بالا میں دوسری نصیحت یوں فرمائی "وأمر بالعرف" یعنی بھلائیوں کا حکم دیا کرو، بھلائیوں کا حکم دینا بھی مکارم اخلاق اور فضائل اعمال اور محاسن-افعال میں سے ہے، جس کے بارے میں اللہ خود ایک جگہ ارشاد فرماتا کہ چاہیے کہ تم میں سے ایسے لوگ ہوں جو خیر کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم کریں۔ (ال عمران)

جاہلوں سے اعراض

تیسری نصیحت یوں فرمائی "واعرض عن الجاھلین" (جاہلوں سے اعراض کرو) یہ بھی بہت اہم نصیحت ہے اور اس پر عمل کرنے سے مومن بندہ اپنے نفس کے شر سے اور جاہلوں کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ سوال جواب اہل علم تک محدود رہے تو مناسب رہتا ہے اور

جاہلوں سے سوال جواب اور بحث کی جائے تو وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور جاہل اپنی جہالت کی وجہ سے صاحب علم کو خاموش کر کے یہ سمجھتا ہے کہ میں جیت گیا۔ صاحب علم کے اخلاق فاضلہ میں یہ بھی شامل ہے۔ جاہلوں سے نہ الجھے اور ان سے دور رہے اور جاہل کی طرف سے کوئی زیادتی ہو تو اسے برداشت کرے اور درگزر کر دے، عالم اگر جاہل کے جاہلانہ افعال و اقوال اور اطوار و عادات کا مقابلہ کرے گا تو علم کا کام چھوڑ بیٹھے گا اور جاہلوں ہی سے بھڑتا رہے گا اگر کوئی جاہل شخص'' شرعی مسئلہ پوچھے تو اسے بتا دے لیکن اس سے بحث نہ کرے اسے بحث کرنے دے۔ جاہل کو منہ لگانے میں اپنی آبرو کا بھی نقصان ہے۔ علمی کاموں سے بھی حرمان ہے۔ اللہ تعالی ہم سب کو ان باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

درس حدیث

از مفتی عبداللہ مدبر صاحب قاسمی مہتمم جامعہ عزیزیہ ہنسور تعلق میسور

من الذین کفر وا من بنی اسرائیل علی لسان داو دو عیسی بن مریم الخ

اس آیت میں ان دونوں غیبوں کی تخصیص کیوں جبکہ دیگر انبیاء کرام کے ادوار میں یہود رہے ہیں مفسرین کرام نے کئی توجیہ بیان فرمائی ہے اختصار کے پیش نظر صرف اتناذ کر کیا جاتا ہے کہ ایک تو یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد زیادہ معروف نبی یہی دونوں تھے۔ کبھی یہ کہا جاتا تھا اہل کتاب اس بات پر فخر کرتے تھے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اولا دہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام ان لوگوں سے کفر وطغیان کی وجہ سے متنفر تھے، دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت میں دو تاریخی واقعات کی طرف اشارہ ہے جس پر یہ خدا کے برگزیدے پیغمبر غضبناک ہوئے اور لعنتیں برسائیں ساکنین شہر ایلہ جو اصحاب السبت کے نام سے مشہور ہیں جن کا ذکر الم پارہ اور سورۃ اعراف میں ہے جہاں یعدون في السبت اور سورہ بقرہ میں اعتدوافی السبت ذکر فرمایا ہے تعدی جس کا معنی ہے ظلم کرنے اور یہ ظلم کرنے کی عادت تا حال باقی ہے جب یہ قوم انبیاء ورسل کے ساتھ بدسلوکی قتل وغارتگری کے خوگر ہیں، تو فسلطینی وغزوی باشندگان کے ساتھ کہاں کا حسن سلوک؟ اوران لوگوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا ہے اور عیسائیوں نے حضرت مسیح عیسی علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنایا ہے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو مطرود قرار دیئے گئے۔ گذشتہ مضمون جو اس مضمون کا ضمیمہ ہے جس میں ایک حدیث کا سہارا لیا گیا تھا (اخر جوالیھو دو النصاری من جزیرۃ العرب الخ) مذکورہ بالا حدیث میں یہود ونصاری کو جزیرۃ العرب سے نکال دینے کی بات کہی گئی ہے، اس لئے ازاول تا حال بلکہ تا قیام قیامت یہود قوم مخملہ نصاری کے دجالی فتنہ پرور گروہ ہیں۔

تاریخ عالم گواہ ہے کہ یہود ونصاری نے دین واسلام اور اس کے حلقہ بگوشوں کو کبھی بھی تحمل نہیں کیا ہے۔ ہر دور میں ان دو ظالم۔ قوموں نے اسلام کی بیخ کنی کی اور کائنات کے افضل ترین انسان مسلمان جو کہ سبب وجود کائنات ہیں کو صفحۂ ہستی سے اپنی ناجائز طاقت کے ذریعے حرف غلط کی طرح مکمل مٹادینے کے لئے کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ پھر مکمل طور پر شیطان کے آلہ کار بن کر دنیا میں بے حیائی بے دینی بے راہ روی بے حجابانہ زندگی نیز حرام اشیاء سود وقمار کو بطور نظام اور مشن کو عام کرنے میں مصروف ومنہمک ہوگئے اور ظاہر سی بات ہے اسلام ان افعال شنیعہ واعمال قبیحہ کا بالکل منافی ہے جس کی وجہ سے یہ مبغوض ومردود قوم، قوم مسلم کے ایمان، خیر، حیا کے صریح دشمن ہوگئے، سرکار دوعالم کے عہد زرین میں ان بدمعاشوں کو کھل کر برملا دشمنی کا موقع نہ مل سکا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ جان نثار اور اسلام کے دھنی، محبت الہی ومحبت رسول میں سرشار مقدس ترین جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین دین اسلام پر پہرہ دار تھے تو ان مطرودوں نے نفاق کا راستہ اختیار کیا اور مدینہ طیبہ میں خیبر ان کا اڈہ تھا جہاں کا خصوصی مہمان عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین تھا جسکی سرپرستی میں کبھی۔ ظاھراً تو کبھی باطناً اضرار وافساد میں وقت گزرتا تھا بدقسمتی ہے۔ اللہ تعالی نے ان کے قلوب کو گناہوں کا فساد وفتنہ کا مہر ثبت کردیا۔ جس کے یہ اہل تھے اور ہیں، آج اس دنیا میں جتنے جرائم وحادثات بے حیائی بدکاری فسیاقی فجاری حکم عدولی بے اعتدالی طغیانی دغابازی۔ فریب ودسیسہ کاری غرض جتنے قبائح ومکروہات دنیا میں شائع وذائع ہیں جس کا

منبع ومخزن یہی قوم یہود اور اس کا حلیف نصاری ہیں۔

اس وقت پوری دنیا کے امن وامان کا نظام درہم برہم، عدل وانصاف احسان وسلوک جیسے اہم شعبہ ہائے حیات کی دھجیاں اڑانے والے یہی یہود ونصاری ہیں انہی کے نقش قدم پر ہنود گامزن ہیں جو اس وقت ملک عزیز ہندوستان کے لئے ناسور بنے ہوئے ہیں، عقائد واعمال میں یہود و نصاری سے بالکل مختلف لیکن ذہنیت وفکر کے اعتبار سے بالکل متحد میں دین واسلام کی مقدس کرنوں کو اپنے ناپاک ونحس منھ سے بجھانا چاہتے ہیں جبکہ اس اسلام ودین کی آبیاری کا ذمہ خدائے واحد ذوالجلال نے اتمام نور کے ذریعہ لے رکھا ہے کیا یہود کیا ہنود کیا پدی کیا پدی کا شوربہ، کلام مقدس میں ان کی دسیسہ کاری کو لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین أمنوا الیھود و الذین اشر کو آیت مبارکہ میں یہود اور یہود کی شدت عداوت کا اظہار ہے نصاری کے سلسلے میں قربت مودت کا اظہار ہے ایک زمانے تک یہی سلسلہ چلتا رہا یہود نصاری کو نصاری یہود کو لاشئ کہا کرتے تھے لیکن اس زمانے میں جو کہ قرب قیامت کے دور میں دجالی شر کے چیلے وسرغنہ بن کر باہم ویگانگت کا ثبوت پیش کر رہے ہیں جو کہ جس کی نظیر حالیہ جنگ دے واضح ہے۔جو بائیڈن نصرانی اور نیتین یاہو یہودی کی دوستانہ تعلقات ہیں جبکہ یہودیوں ونصرانیوں احبار ورہبان وقسین باہم سیخ پا ہیں۔حدیث بالا میں جو اخراج یہود ونصاری من جزیرۃ العرب کا حکم دیا گیا اس کے اسباب کو ہم قرآن پاک میں بنظر غائر مطالعہ کرنے سے ان کے اخراج کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے جو کہ مخبر صادق صلی الہ علیہ وسلم۔کی زبانی حکم جاری ہوا ہے۔

(۱):یہودی بشمول نصرانی خائن ہوتے ہیں جیسے فرمان باری تعالی ہے:وَ لَاتَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَۃٍ مِّنْھُمْ اِلَّا قَلِیلًا مِّنْھُمْ (سورہ مائدہ:۱۳)

(۲):یہودیوں کے دلوں میں مال کی محبت اور اس کی چاہت عبادت کے درجے تک پہنچ چکی تھی ان لوگوں کو مادیت پرستی اس حد تک غالب آچکی تھی کہ ان کے نیک اور متدین لوگ بھی سیم وزر کے دلدادہ ہو گئے اور مال کے اکتساب کو عبادت کی نگاہ سے دیکھنے لگے قرآن پاک میں ہے:فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ-قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ-اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ(۷۹)

(۳):یہودیوں کے نزدیک نقض عہد جبلت وخمیر میں داخل ہے وہ لوگ عہد و پیمان کا پاس ولحاظ رکھتے نہیں جیسے کہ قرآن گویا ہے:الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ۪-وَ یَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِؕ-اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ(سورۃ البقرۃ:۲۷)

(۴):خدا کے برگزیدہ رسولوں نبیوں کے قاتل یہ یہودی ہیں اس مندرجہ ذیل آیت سے ان کے دو جرم مخصوص ثابت ہوتے ہیں ایک تو تذکیر بآلاء اللہ وتذکیر بایام اللہ جس کو صاحب الفوز الکبیر نے تفصیلاً ذکر فرمایا ہے۔تیسری چیز تذکیر بآیات اللہ ہے ان تینوں تذاکر کے صریح منکر تھے اور انبیاء ورسل بالخصوص حضرت ذکریا ویحیی علیہما السلام کے قاتلین تھے اللہ کا غیظ وغضب ذلت اور مسکنت اور مفلسی نازل ہو ذلیل ہوا ہوئے،مثلاً قرآن ناطق ہے:(وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّ كَانُوا يَعْتَدُونَ (سورہ آل عمران)

(۵):یہودیوں کا گمان ہے کہ وہ یعنی یہودی اللہ کے بیٹے اور محبوب ترین بندے ہیں یہ اللہ رب العزت پر صریح بہتان ہے اللہ صمد ہے لم یلد ولم یولد اور کفوا احد کے صفات سے متصف ہے اور ان کے اس وصل کو قرآن نے آشکارا فرمایا ہے:

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ-(سورہ مائدہ)

(۶): یہودیوں میں کبروغروروزمین میں فساد بپا کرنا، اللہ کی نافرمانی میں حد سے تجاوز کرنا ان کا شیوہ ہے جس کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ (سورہ اعراف:۱۶۶) وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ (مائدہ ۶۴)

(۷): یہود و نصاریٰ کے مابین بغض وعداوت ہمیشہ تاقیامت رہے گی جس کی شہادت اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دیا ہے:

وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (مائدہ: ۶۴)

(۸): یہود دنیوی زندگی کے بہت زیادہ حریص ہوتے ہیں اور ان کی چاہت یہ ہے کہ برسہا برس وہ زندہ رہیں اور اس رنگا رنگ دنیا ہے۔استدلال کرے، اسی وجہ سے وہ بزدل ہوا کرتے ہیں، وھن کی بیماری میں مبتلا ہیں جس کی نشان دہی فرمان عظیم کرتا ہے:

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَن يُعَمَّرَ وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ (بقرۃ:۹۶)

(۹): یہودی کلام ربانی کی آیات میں تحریف وتبدیل وتنسیخ میں ید طولیٰ رکھتے ہیں لفظی ومعنوی تحریف میں غالی ہونے کی بدترین مثال کلام و ربانی پیش کرتا ہے:

فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ (مائدہ:۱۳)

(۱۰): یہودی باعتبار قلب سخت ترین ہوتے ہیں قرآن عظیم ان کی سختی کو کچھ یوں بیان کرتا ہے:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً (سورۃ البقرۃ)

(۱۱): یہودی حاسد ہوتے ہیں بھائی بھائی کے دلوں میں رخنہ اندازی اور برانگیختہ کرنا ان کی نجس چال ہے مثلاً قرآن کریم سورہ یوسف کے اوائل حصہ میں ذکر کیا ہے اور وہ مکمل حسد وبغض پر مبنی ہے مثلاً:

قَالَ يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ (سورہ یوسف)

گرچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے کی زبانی ہو مگر قرآن ان کی ترجمانی کرتا ہے۔

(۱۲): یہودیوں کی اوصاف رذیلہ میں سے ایک وصف اپنے مقصد کے حصول کے لئے جنگ وجدال کو فروغ دینا اور بھڑکانا ہے مثلاً موجودہ صورتحال میں اہل فلسطین وغزہ پر ظالم اسرائیل غاصبانہ انداز میں دندناتا ہوا مہلک بم برسا کر کئی معصوم ومظلوم جانوں کو تلف کر کے تالیاں پیٹ رہا ہے اور اُسکی دہائی امریکہ برطانیہ فرانس ان کے ہمنوا دے رہے ہیں دوسری طرف وھن کے نفسیاتی و بےحس مریض وہ مسلمان حکمران جو یہودی تلوے چاٹ کر فلسطینی وغزوی بچوں کے قاتلین کی صف میں دست بستہ ہیں بہرحال یہ ایک مستقل موضوع ہے۔ جو کبھی منظر عام پر لایا جائے گا انشاءاللہ

كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللّٰهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ (مائدہ:۶۴)

کلام مقدس کے تدبرانہ غائرانہ مطالعے سے یہود ونصاری کی دسیسہ کاری دجل وفتن ظاہر وباہر ہے اور حاصل مطالعہ یہی ہوتا ہے کہ ان کے اوصاف خبیثہ عادات غلیظہ اطوار کریہ از آغاز آفرینش تا ابدالاباد ہیں۔جن سے اجتناب فرض عین کا درجہ رکھتا ہے۔

عمرہ کا مسنون طریقہ اور جدید مسائل نئے انداز سے

محمد نعمان مکی

پچھلے سال 2022 کے حج کے موسم میں ہندوستان کے مشہور ومعروف عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ مفسر قرآن حضرت مولانا سید محمد طلحہ صاحب نقشبندی دامت برکاتہم (خلیفہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ) حج کے سفر پر مکہ مکرمہ تشریف لائے تھے، اور حج سے پہلے عزیزیہ میں ایک ہوٹل میں آپ کا قیام تھا۔ ہوٹل کے کمرے میں آپ سے ملاقات ہوئی۔ اس وقت حضرت کے کمرے میں آپ کے بہت سارے مریدین، تلامذہ اور عرفہ ٹراولس بنگلور کے مالک, حاجی نصیر احمد صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ گفت وشنید کے بعد حضرت نے فرمایا کہ بندے کے دل میں یہ بات آ رہی تھی کہ ''عمرہ کا طریقہ عنوان پر ایک کتاب لکھی جائے، کیونکہ وقت کے ساتھ ساتھ بہت ساری چیزوں کی تبدیلیاں ہوئی ہیں اور کئی سارے جدید مسائل سامنے ہیں۔ حضرت نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا، کہ پھر دل میں یہ خیال آیا کہ میں یہ ذمہ داری آپ کو سونپتا ہوں کہ آپ اس عنوان پر ایک کتاب لکھیں، جس میں عمرہ کا طریقہ اور اس کے جدید مسائل شامل ہوں، کیونکہ اس لائن میں آپ کا کافی تجربہ ہے اور ہر طرح کے مسائل آپ کے سامنے ہیں۔ بندہ اپنی ساری کمزوریوں اور نا اہلیوں کے باوجود انکار نہ کر سکا۔ اس کو اپنے بڑوں کی طرف سے ایک حکم سمجھ کر اور اس امید پر حامی بھر لی کہ اس کام میں حضرت کی توجہات اور دعائیں شامل ہونگیں، تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں گے۔ ان شاء اللہ

ایک مزاح: حضرت نے آگے فرمایا: کہ آپ اس کتاب کو لکھیں، ان شاء اللہ ہم اس کو شائع کریں گے، اور اس کا خرچ عرفہ ٹراولس والوں کے ذمہ ہوگا۔ اس بات کو سن کر عرفہ ٹراولس کے مالک حاجی نصیر احمد صاحب، جو سامنے ہی بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے اپنا ہاتھ کھڑا کیا اور کہا لبیک۔ (اس کا مطلب تھا کہ جی ہم تیار ہیں)۔ بندے نے بطور مزاح کے کہا کہ حضرت انہوں نے جو لبیک کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ، یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم اپنے ٹورس کا نام عرفات سے بدل کر لبیک رکھ لیں گے۔ یہ سن کر سارا کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا۔ بندے نے حضرت سے وعدہ تو کر لیا، لیکن کئی ہفتے بس یہ سوچنے میں گزر گئے کہ کیا لکھوں، کیونکہ عمرہ کے عنوان پر تو پہلے سے بہت ساری کتابیں موجود ہیں اگر بندہ بھی ایک کتاب لکھ دے گا تو کیا فرق پڑ جائے گا، بس ایک اور کتاب کا اضافہ ہو جائے گا۔ حج وعمرہ میں غلطیاں کرنے کی وجوہات: غور کرنے سے، پتہ چلا کہ عموماً لوگ حج اور عمرے میں جو غلطیاں کرتے ہیں اس کی کچھ وجوہات ہیں۔ پہلا ہے، کچھ لوگ حج یا عمرہ پر جانے سے پہلے اس کے مسائل سیکھتے یا پڑھتے نہیں ہیں، اب اس مسئلے کا کوئی علاج نہیں ہے، سوائے اس کے کہ ترغیب دی جائے۔ دوسری وجہ ان مسائل سے اجنبیت ہے۔ جو پڑھتے یا سیکھتے بھی ہیں ان کے لیے یہ مسائل اجنبی ہیں، کیونکہ ان میں سے اکثر مسائل کا تعلق روزہ مرہ کی زندگی سے نہیں ہے، بلکہ زندگی میں بھی ایک آدھ بار پیش آنے والے مواقع سے ہے۔ جن میں اکثر مسائل کا تعلق مخصوص وقت اور مخصوص ہیت اور مخصوص جغرافیہ کے ساتھ ہے۔ لہذا جب لوگ حج یا عمرہ مسائل کی کتاب کو پڑھتے ہیں تو ان باتوں کا استحضار یا ان کا تصور محال ہوتا ہے۔ لہذا جب آدمی پہلی دفعہ میقات اور احرام وغیرہ کے مسائل کو

پڑھتا ہے تو وہ اس کو علم ریاضی کے فارمولے محسوس ہوتے ہیں، کہ جس کو پڑھا تو جا سکتا ہے لیکن تصور میں نہیں لایا جا سکتا ہے۔ اور انسانی دماغ اُکثر چیزوں کو تصویر کی شکل میں اپنے اندر محفوظ کرتا ہے۔ لہذا جن باتوں کا دماغ تصور نہ کر سکے وہ اس کو یاد رکھنے کی زحمت بھی نہیں کرتا ہے، بلکہ اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ حج یا عمرے کے طریقے کی کتابیں پڑھ کر بھی اس کو یاد نہیں رکھ پاتے ہیں اور اکثر غلطیاں کر جاتے ہیں۔

چنانچہ اس پر غور وخوص کے بعد اللہ تعالی نے ایک بات دل میں یہ ڈالی کہ عمرے کے طریقے کو ایک قصے کے طرز پر لکھا جائے، جس میں کچھ تصوراتی کردار ہوں، اور ان کے ساتھ پیش آنے والے مسائل ایک واقعے کی شکل میں ایک ایک کر کے سامنے آتے رہیں، جس سے قارئین کے دماغ میں ان باتوں کا تصور بنتا رہے گا۔ اور جس چیز کی تصویر دماغ میں بن جاتی ہے اس کا یاد رکھنا بانسبت اور طریقوں کے زیادہ آسان ہوتا ہے۔ چنانچہ بندے نے عمرے کے ایک تصوراتی سفر کا خاکہ تیار کیا، جس میں ایک باصلاحیت عالم دین ہیں جن کا نام زید ہے، جو عمرہ کے سفر پر جا رہے ہیں، ان کے ساتھ ان کی بوڑھی ماں، ان کی اہلیہ، ان کا ایک نوجوان سولہ سالہ بیٹا، اور ان کا دو سالہ بچہ بھی ہے۔ تو یہ پوری فیملی کو عمرہ کے سفر پر کیا حالات پیش آتے ہیں اور کن کن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور مسائل کے کیا حل ہیں، اس کو ترتیب وار لکھنا شروع کر دیا ہے۔ اس طرح کہ حتیٰ الامکان اس کو پڑھنا، سمجھنا اور یاد رکھنا آسان ہو۔ اس میں کوشش کی ہے کہ گھر سے نکلنے سے لیکر عمرہ ختم ہونے تک، وقت وقت پر پیش آنے والے ضروری مسائل اور اہم تجربات کو ایک ایک کر کے آسان طریقے سے پیش کیا جائے۔ پھر اس کتاب کی علمی حیثیت اور اہل علم کے درمیان اعتماد کو برقرار رکھنے کے لیے، کوشش کی ہے کہ ہر مسئلے کے نیچے حتی الامکان اکابرین کی کتابوں سے فقہی عبارات اور حوالہ جات بھی نقل کر دیے جائیں۔ اس کام کو شروع کرنے سے پہلے، بندے نے اپنے مسائل حج وعمرہ کے استاد ورہنما حضرت مولانا مفتی محمد عمر شفیق حجازی حفظہ اللہ (سابق ریسرچر انٹرنیشنل اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ) کی خدمت میں پہنچ کر اپنے ارادے کو ظاہر کیا اور اس طرز پر لکھنے کے متعلق حضرت کی رائے کو معلوم کیا۔ تو حضرت نے اس کی اجازت مرحمت فرمادی کہ اس طرح بھی لکھا جا سکتا ہے۔ الحمد للہ مفتی صاحب سے حج وعمرہ کے مسائل سیکھتے سیکھتے بارہ سال کا عرصہ ہو گیا ہے، لیکن ان مسائل میں اتنی گہرائی ہے کہ ابھی بھی یہی لگتا ہے کہ کچھ نہیں سیکھا ہے۔ بہر حال اللہ کی توفیق سے اس پر کام شروع ہو چکا ہے۔ اور مشورے سے ہم نے یہ سوچا ہے کہ جتنا لکھا جا چکا ہے اس کو دھیرے دھیرے قسط وار شائع کیا جانا چاہیے، تا کہ اہل علم حضرات کی طرف سے جو غلطیوں کی نشاندہی یا اصلاحی باتیں آتی رہیں گی ہم ان کی اصلاح کرتے رہیں گے، پھر آخر میں ان سب کو ملا کر کتابی شکل دیں گے۔ ان شاء اللہ۔ اگلی قسط سے عمرے کا طریقہ قسط وار پیش کیا جائے گا، ان شاء اللہ۔

آپ سب سے درخواست ہے کہ از راہ کرم دوسرے گروپوں میں بھی شیئر فرمائیں، خصوصاً جو حضرات عمرے پر جانے والے ہیں، یا جو گروپ لیڈر لے جانے والے ہیں یا جو لوگوں کو عمرے کی ٹریننگ دیتے ہیں، ان سب تک پہنچائیں۔ اور اگر آپ کی نظر میں کوئی بھی بات قابل اصلاح ہو، تو ضرور مطلع فرمائیں ہم آپ کے ممنون ومشکور ہونگے۔ جزاکم اللہ خیرا (جاری ہے۔)

نجات المومنین

از: سید محمد علی رحمہ اللہ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں نزد فقیر عذاب دوزخ موقت باشد، یا مخلد مخصوص بکفر است وبصفات کفر کما سیجئ تحقیقہ" اس بیان سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ کلام خداوندی اور احادیث نبوی اور ارشاد کبار اولیائے امت محمدی اس پر متفق ہیں کہ مسلمان جہنم میں نہ جائے گا عذاب جہنم کافروں سے مخصوص ہے واللہ الحمد۔

اس کے بعد مجھے یہ بیان کرنا ہے کہ اس مضمون میں جس قدر حدیثیں نقل کی گئیں ہیں ان کے الفاظ اگرچہ مختلف ہیں، مگر سب کا حاصل یہ ہے کہ نجات کا مدار ایمان پر ہے، کسی عمل کی قید یا شرط اس میں نہیں ہے، یہاں میں یہ بھی دکھانا چاہتا ہوں کہ جو حدیثیں اوپر نقل کی گئیں۔ کس قسم کی ہیں ان کے مضمون پر کہاتک اعتماد ہوسکتا ہے اس کی نسبت میں یہ کہتا ہوں کہ اس مضمون کو اتنے حضرات نے روایت کیا ہے کہ اس کی صداقت پر کسی کو شبہ نہیں ہوسکتا، مختلف طور سے مختلف حالتوں کے ساتھ روایت کرنے والے بیان کرتے ہیں، حدیث کے ماہرین یہ بھی معلوم کرینگے کہ مختلف اوقات کی حدیثیں ہیں، یعنی ابتدائے اسلام کی بھی ہیں اور درمیان کی اور اخر کی بھی، غرضکہ ہر زمانے کی حدیثیں ہیں اگر ایمان کے علاوہ کوئی دوسری قید یا کوئی شرط ہوتی تو کسی نہ کسی وقت کسی صحابی کے روبرو تو حضور انور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صراحۃً یا کنایۃً بیان فرماتے، یہ کیونکر خیال میں آسکتا ہے کہ عرصہ دراز تک ایک عظیم الشان امر کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حالتوں میں اپنے اصحاب سے بیان فرمایا اور بعض بعض وقت نہایت اہتمام سے لوگوں کو متوجہ کرکے بیان کیا پھر وہ مضمون نہ تمام رہا، دوسری جگہ سے کوئی قید یا شرط زیادہ کرکے اسے تمام کیا جائے، یہ بات نہایت غور کے لائق ہے، جن اصحاب کرام نے یہ حدیثیں روایت کی ہیں انمیں سے میرے پیش نظر یہ حضرات ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ- حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ- حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ- حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ حضرت ابودردہ رضی اللہ تعالی عنہ حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالی عنہ حضرت سلمہ بن نعیم رضی اللہ تعالی عنہ حضرت ابوشداد رضی اللہ تعالی عنہ حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالی عنہ حضرت عمران بن حصبن الحصین رضی اللہ تعالی عنہ حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالی عنہ حضرت جریر رضی اللہ تعالی عنہ حضرت ابی عمرۃ انصاری رضی اللہ تعالی عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالی عنہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ حضرت عمارۃ بن رویبۃ رضی اللہ تعالی عنہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالی عنہ حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ تعالی عنہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ حضرت سہیل بن البیضاء رضی اللہ تعالی عنہ حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالی عنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ حضرت رفاعہ رضی اللہ تعالی عنہ

حضرت سعید بن وائل رضی اللہ تعالی عنہ حضرت عبداللہ بن عملام رضی اللہ تعالی عنہ حضرت محمود بن الربیع رضی اللہ تعالی عنہ جس قدر صحاب کرام کا میں نے نام لکھا ہے اگر اتنے ہی راوی ہوں تو بھی بہت ہیں کیونکہ مشہور جلیل القدر صحابہ اس میں موجود ہیں، اسی وجہ سے اکابر نے اس حدیث کو متواتر کہا ہے یعنی اس مضمون کے صحیح ہونے شک وشبہ نہیں ہوسکتا، البتہ ان روایتوں میں چند امر غور کے قابل ہیں۔

پہلا امر اکثر حدیثوں میں جنت کی بشارت صرف اقرار توحید اور شرک سے پرہیز پر ہے رسالت کا اقرار ان میں نہیں ہے ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے جو محض موحد ہو اور اقرار رسالت نہ کرتا ہو وہ بھی جنتی ہے اور بہت حدیثوں میں اقرار توحید کے ساتھ تصدیق رسالت کو بھی ملایا ہے جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صرف قرار توحید نجات کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اقرار توحید اور تصدیق رسالت دونوں کا ہونا ضرور ہے، اس اختلاف کی کیا وجہ ہے اس کا جواب ہمارے علماء نے دیا ہے، خصوصا وہ جواب جو علامہ سبکی نے طبقات کبری میں دیا ہے اچھا ہے مگر میں یہاں وہ بیان کرنا چاہتا ہوں جو اللہ تعالی نے میرے دل میں ڈالا ہے، موحد کی کئی قسمیں ہیں۔ایک وہ جو ایسے مقام پر رہتا ہے کہ اسے کسی رسول کی خبر ہی نہیں پہنچی دوسرے وہ کہ اسے خبر پہنچی تو مگر اس کے رسول ہونے کی کوئی دلیل اس کی سمجھ میں نہیں آتی، اگر چہ اس نے اپنے فہم وخیال کے بموجب بہت غور کیا، تیسرے وہ کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پہنچی مگر وہ ایسی جگہ ہے کہ منکرین کی وہاں کثرت ہے سب کی زبان سے لڑکپن سے ہی سنتا چلا آیا ہے کہ جس طرح بہت سے جھوٹے نبی گزرے یہ بھی ویسا ہی ہے اس کثرت افواہ نے اسے واقعی امر کی تحقیق کی طرف متوجہ ہونے نہ دیا۔اور اس دھوکے میں وہ منکرین کے زمرے میں رہا۔

چوتھا وہ گروہ ہے جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کی خبر پہنچی اور آپ کے فضائل وکمالات کا بھی اسے علم ہوا مگر کسی نفسانی غرض یا ذاتی تعصب نے اسے غور کرنے نہ دیا۔ یا غور کرنے کے بعد بھی وہ منکر رہا۔ان چار قسموں سے پہلی قسم کے لیے تو نجات کے لیے بالاتفاق صرف اقرار توحید کافی ہے، کیونکہ تصدیق رسالت سے وہ بالکل لیا معذور ہے دوسری اور تیسری قسم کے موحدین کی نسبت بعض اکابر کہتے ہیں کہ ان کے لیے صرف اقرار توحید کافی ہے، انھیں میں سے امام بخاری اور مسلم رحیمہما اللہ کے استاد عبید اللہ عنبری اور امام غزالی رحمہ اللہ ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ جب اس نے کوشش کی اور امر حق تک پہنچنے سے معذور رہا یا دھوکے میں آجانے سے کوشش نہ کرسکا تو اب وہ خدائے تعالی کی رحمت واسعہ کا ضرور مستحق ہے کیونکہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا یعنی اللہ تعالی کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔خدائے کریم کا ارشاد ہے راقم سطور کہتا ہے کہ جس وقت اس ارحم الراحمین کہ اسعت رحمت پر نظر کی جائے اور بندہ ضعیف کے عذر کو دیکھا جائے تو اس کی نجات کا پلہ اور غالب معلوم ہوتا ہے اور جو حدیثیں صرف قرار توحید پر نجات کی بشارت دے رہی ہے وہ بھی اس کی مؤید ہیں۔

اب باقی رہا چوتھی قسم کا موحد جس کا نفسانی خیال تصدیق رسالت سے مانع ہوا ہے، اس تمام تقریر کا حاصل یہ ہوا کہ نجات کے لیے اصلی امر یہ ہے کہ اقرار توحید اور تصدیق رسالت، دونوں ضرور ہیں مگر بعض وقت معقول عذر کی وجہ سے صرف اقرار توحید کافی ہوتا ہے، اس لیے سید المرسلین علیہ الصلاۃ والسلام نے کسی وقت اقرار توحید اور تصدیق رسالت دونوں پر نجات کو بیان فرمایا۔اور کسی وقت صرف اقرار توحید کو موجب نجات فرمایا۔غرض کے دونوں قسم کی حدیثیں اپنے اپنے موقعہ پر بلا تاویل ٹھیک ہیں، اس حبیب کبریا کی عظمت وشان کا یہی

متقاضا ہے کہ جو الفاظ جس طرح زبان مبارک سے نکلے ہیں ان کی سچائی بلا کسی ایر پھیر کے ظاہر ہو کسی تاویل کی ضرورت نہ پڑے جس طرح احادیث میں نجات کے لیے کہیں صرف اقرار توحید کو بیان کیا ہے اور کہیں اقرار توحید اور تصدیق رسالت دونوں کو۔ اسی طرح قران مجید میں بھی ہے، مثلاً سورہ نساء میں ارشاد ہے: "فامّا الذین آمنوا باللہ و اعتصموا بہ فسیدخلھم فی رحمۃ منہ"(سورۂ نساء ع ۲۴) یعنی جو اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوط پکڑے (یعنی کسی وقت نہیں ڈگمگائے) عنقریب اللہ تعالی انہیں اپنی رحمت میں داخل کریگا۔ یعنی نجات دے گا۔

اور سورۂ حدید میں ہے:-"والذین آمنوا باللہ و رسولہ اولئك ھم الصدیقون و الشھداء عند ربھم"(سورۂ حدید-ع۲) جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر وہی سچے ایمان والے ہیں۔ اور خدا پرست دیندار ہیں جن کا قول وفعل لوگوں کے لیے دلیل ہے "سابقوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا کعرض السماء و الارض اعدت للذین آمنوا باللہ و رسلہ" اپنے پروردگار کے بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف جھپٹو۔ جس کا عرض آسمان وزمین کی مانند ہے، وہ آراستہ کی گئی ہے ان کے لیے جو اللہ پر اور اس کے سارے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ جس طرح مذکورہ حدیثوں میں جنت کے لیے عمل کی شرط بیان نہیں کی گئی، اسی طرح ان دونوں آیتوں میں بھی وہ شرط نہیں ہے۔ صرف ایمان باللہ اور رسولوں کی تصدیق پر مغفرت کا مدار بتایا ہے۔

(دوسرا امر) جس قدر حدیثیں نقل کی گئیں ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نجات کا مدار ایمان پر ہے جو توحید ورسالت کی شہادت دلی تصدیق سے دیتا ہے وہ جنتی ہے یہاں تک کہ اس پر جہنم کی آگ حرام ہوئی اور ایسی نجات ہوئی کہ جہنم کی کوئی تکلیف اس پر نہ ہوگی تو بداعمالی کی سزا جو قرآن وحدیث میں کثرت سے مذکور ہے وہ کیا ہوگی۔ جب اللہ تعالی نے صرف ایمان پر نجات کا وعدہ فرمایا اور خبر دی کہ آتش جہنم اس پر حرام ہے تو اب کسی گناہ کے سبب سے اس پر عذاب ہونا خلاف وعدہ اور اس کے فرمانے کے خلاف ہے، اس کے جوابات مختلف طور سے دیے گئے ہیں اور کتب احادیث میں مذکور ہیں، مگر میں ایسا جواب دینا چاہتا ہوں جس میں پھیر پھار اور تاویل نہ ہو، کیونکہ تاویل کر کے تو ہر شخص کھینچ تان کر اپنے خیال کے مناسب کرسکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ امت محمدیہ کے مختلف فرقوں نے نصوص صریحہ کو تاویل کر کے اپنے موافق کرلیا ہے۔

میرے خیال میں نجات کے کئی طریقے ہیں، ایک یہ کہ ایمان کے بعد سے ہر ایماندار کو کسی وقت اور کسی حالت میں کسی قسم کی سزا نہ ہو، ایسے نجات کا وعدہ کسی آیت وحدیث میں نہیں پایا جاتا ہے دوسرے یہ کہ آخرت میں جہنم کے عذاب سے نجات ہو اور اس کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ بداعمالی کی سزا پانے کے بعد نجات ہو، دوسرے یہ کے بغیر سزا پائے نجات مل جائے، اس قسم کے نجات کا وعدہ قرآن وحدیث میں بلاشبہ ہے اور جو حدیثیں مذکور ہوئیں، ان میں اسی قسم کی نجات مذکور ہے، چونکہ مذکورہ احادیث میں دو قسم کا وعدہ ہے، پہلا یہ کہ جو ایمان لایا وہ جنت میں جائے گا یہ ایسا وعدہ ہے کہ اگر بغیر سزا پہلے ہی جنت میں اللہ تعالی اسے داخل کردے تو بھی ہوسکتا ہے اور اگر سزا کے بعد جنت میں جائے تو بھی وعدہ کے خلاف نہیں ہے۔

دوسری قسم کا وعدہ یہ ہے کہ آتش جہنم اس پر حرام ہے جہنم کی آگ اسے چھو بھی نہ جائے گی یہ وعدہ بظاہر ان آیتوں اور حدیثوں کے خلاف معلوم ہوتا ہے جن میں گناہوں کی سزا مذکور ہے مگر غور کرنے کے بعد مخالفت نہیں رہتی۔ اللہ تعالی نے انسان کے لیے چار عالم

بنائے ہیں۔

اول دنیا۔دوسرا عالم برزخ، جسے قبر بھی کہتے ہیں،تیسرا عالمِ قیامت، چوتھا عالم آخرت، ان چاروں عالم میں انسان کو جزا اور سزا ملتی ہے،مختلف طریقے سے۔البتہ عالم آخرت جزا اور سزا کے لیے بہت بڑی جگہ ہے،قرآن وحدیث میں جزا اور سزا کا ذکر دو طرح پر ہے،بعض مقام پر تو صرف اس قدر مذکور ہے کہ جو برا کام کرے گا۔وہ اس کا بدلہ پائے گا۔"من یعمل سوءا یجزی بہ" یہ الفاظ ایسے عام ہیں کہ اگر کسی عالم میں اسے بدی کا نتیجہ مل گیا تو وعید پوری ہوگئی،اس وعید کے پورا ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ جہنم کی آگ میں وہ ڈالا جائے،دنیاوی گناہ کے لیے اگر دنیا میں ایسی تکلیف پہونچیں یا عالم برزخ میں اسے سزا دی جائے اور عذاب قبر ہو،جس کی میعاد اللہ ہی کے علم میں ہے تو بھی سزا ہوئی اور اگر اس پر کفایت نہ ہو اور عالمِ قیامت کی سخت مصیبتوں میں مبتلا کیا جائے تو بھی بھاری سزا ہوئی،کیونکہ عالم قبر کی مدت اگرچہ غیر معمولی ہے مگر ہزاروں سیکڑوں برس سے کم نہیں ہے اور عالم قیامت پچاس ہزار برس کا ہے پھر دنیاوی زندگی جس کی معیاد غالبا سو دو سو برس سے زیادہ نہیں ہوتی،اس کے گناہ کی سزا کیلئے یہ تین عالم کافی ہو سکتے ہیں اسکے بعد رحمت الٰہی جہنم کے عذاب سے اسے محفوظ رکھے تو بعید نہیں ہے۔(جاری)

اسرائیل کا فلسطینیوں پر ظلم وستم

ڈاکٹر تمیم احمد قاسمی۔ چیرمین۔ تنظیم فروغ اردو چنئی ٹمل ناڈو انڈیا

نحمدہ ونصلی رسولہ الکریم

سرزمین فلسطین وہ مقام ہے جہاں مسلمانوں کا قبلہ اول بیت المقدس یعنی مسجد اقصی موجود ہے۔ مسجد اقصی وہ مسجد ہے جہاں ابوالبشر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں نے معراج کی رات امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی امامت میں نماز ادا کئے تھے۔ اور فلسطین وہ مقام ہے جہاں بے شمار انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو مبعوث کیا گیا۔ اور وہاں دیگر انبیاء کرام علیھم السلام مدفون ہیں۔ چند دنوں سے فلسطین اور اسرائیل کے درمیان جنگ جاری ہے۔ ظاہر میں یہ جنگ فلسطین اور اسرائیل کا مسئلہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ ساری دنیا کے مسلمانوں کا ہے۔ ایک ہفتے کی اس جنگ سے فلسطین میں تجزیہ نگاروں نے جاں بحق ہونے والوں کی تعداد تخمینی لاکھوں سے زائد بتائی ہے اسرائیل کے غزہ پر حملے اب تک جاری ہیں۔ جس میں غزہ کا کثیر منزلہ فلسطین ٹاور ملبے کا ڈھیر بنا دیا گیا فلسطینی مزاحمتی تنظیم حماس کے حملوں میں اسرائیلی فوج کے بریگیڈ کمانڈر سمیت ہزاروں سے زائد اسرائیلی ہلاک ہو گئے۔

اسرائیل نے غزہ کو بجلی، ایندھن اور دیگر اشیاء کی سپلائی روک دی، جب کہ حماس کے حملے کے بعد اسرائیل نے ایک اور محاذ کھول لیا ہے، اسرائیلی فوج نے لبنان کے سرحدی علاقے پر گولا باری کی ہے۔ بلاشبہ مزاحمت کرنا اور اپنی آزادی کے لیے لڑنا فلسطینیوں کا بنیادی حق ہے۔ موجودہ صورتحال پر بات کریں تو یہ انتہائی کرب ناک ہے۔ اسرائیل کی نہایت مضبوط اور جدید ہتھیاروں سے لیس فوج فلسطینی معصوم شہریوں، عورتوں اور بچوں کے خلاف جارحیت کر رہی ہے۔ اگر اسرائیل اپنے ظلم اور جارحیت پر پردہ ڈالنے اور عالمی برادری کو دھوکا دیتے ہوئے یہ باور کرا رہا ہے کہ وہ فلسطینی حملوں کے خلاف فقط اپنا دفاع کر رہا ہے، تو ہر کوئی جانتا ہے کہ اس تنازعہ کا اصل شکار کون بن رہا ہے مگر بدقسمتی سے جب اسرائیل اور فلسطین کی بات آتی ہے، عالمی برادری دہرے معیارات اختیار کرتی ہے۔ دنیا کے ہر باضمیر شخص کے لیے اسرائیل ظلم، استحصال، جھوٹ اور مکر کی علامت ہے۔ یہودی ریاست انھی بنیادوں پر قائم ہوئی ہے اور انھی ستونوں پر کھڑی ہے۔

مسئلہ فلسطین کا آغاز 1917 میں معاہدہ بالفور سے ہوا تھا۔ اسرائیل نے فلسطین پر برطانیہ اور مغرب کی حمایت سے قبضہ کیا تھا، جب اس ناجائز ریاست اسرائیل کو وجود میں لایا گیا اس وقت بھی فلسطینیوں پر ظلم ڈھا کر انھیں ان کے وطن سے نکالا گیا تھا۔ یہودی ہمیشہ جھوٹ بولتے رہے ہیں کہ فلسطینیوں نے رضا کارانہ طور پر اپنے قصبوں اور دیہات سے ترک وطن کیا تھا لیکن آج خود اسرائیل کے مورخین اعتراف کر رہے ہیں کہ یہودیوں نے ایک سوچے سمجھے اور ماہرانہ منصوبے کے ذریعے فلسطینی سرزمین پر نسلی صفائی کا عمل انجام دیا تھا، جس کا مقصد فلسطینیوں کو جلاوطن کر کے ان کے متروکہ علاقوں میں پوری دنیا اور خصوصی طور سے روس، مشرقی یورپ اور جرمنی سے یہودیوں کو لا کر بسانا تھا۔ اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لیے یہودی دہشت گردوں نے فلسطینیوں پر حملے کیے اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو خوف زدہ کر کے ہجرت پر مجبور کر دیا، جب کہ

اسرائیلی فوج نے فلسطینیوں کے سیکڑوں گاؤں اور قصبے تباہ و برباد کر دیے۔ مغربی اور امریکی انتظامیہ کی جانب سے اسرائیل کی مسلسل حمایت اب تک جاری ہے۔ اب تک جتنی بھی قرار دادیں فلسطین کے لیے پاس کی گئی ہیں، ان میں سے کسی ایک پر بھی عملدر آمد نہیں ہوا ہے، کیونکہ اقوامِ متحدہ بہت محدود حیثیت رکھتی ہے کہ وہ اپنے طور پر کرے بھی تو کیا کرے؟ جب 1938 میں سعودی عرب میں تیل کے سب سے بڑے عالمی ذخیرے کی دریافت کی اطلاع ملی تو اس کے بعد مغربی طاقتوں کو اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کا معیار زندگی اور ترقی عرب کے اس تیل پر منحصر ہو جائے گی۔ چنانچہ اس تیل پر اپنا کنٹرول برقرار رکھنے کی غرض سے انھوں نے ایک نئے منصوبہ پر کام کرنا شروع کر دیا اور پھر انھوں نے عربوں کو پریشان کرنے کے لیے ایک ناسور خطہ کی بنیاد ڈال دی جس کے نتیجے میں یہودیوں کی ریاست اسرائیل کا قیام عمل میں لایا گیا تاکہ عرب ریاستیں، اسرائیل سے مسلسل خوفزدہ رہ کر مغربی طاقتوں کے کنٹرول میں رہ سکیں اور یہی وجہ ہے عرب ریاستوں کی دولت کا ایک بڑا حصہ اس اسلحے کی خریداری پر خرچ ہوتا ہے جو وہ مغربی حکومتوں سے خریداری کرتی ہیں اور جسے گا ہے گا ہے اسرائیل کی یہودی حکومت اپنی جارحیت سے عربوں کو خوفزدہ کراتی رہتی ہے اور خطے میں اپنی موجودگی کا انھیں احساس دلاتی رہتی ہے اور اس طرح تیل پر خرچ ہونے والی ایک کثیر رقم اسلحے کی تجارت سے واپس مغربی اقوام کو مل جاتی ہے۔ چنانچہ مغرب اور خاص کر امریکا کی اسرائیلی حمایت کا سبب مغرب کی وہ پالیسی ہے جس کے تحت وہ جس رقم کو تیل خریدنے پر خرچ کرتے ہیں، اس سے زیادہ اسلحہ بیچ کر کما لیتے ہیں۔

1967 سے قبل غزہ کی پٹی مصر کے زیر انتظام تھی اور مغربی کنارہ اُردن کے زیر انتظام تھا مگر ان دونوں میں کوئی جغرافیائی رابطہ نہیں تھا، اسی لیے آج غزہ میں لاکھوں لوگ دُنیا سے الگ تھلگ یعنی کٹے ہوئے ہیں وہ اسرائیلی محاصرے میں ہیں اور اُن سے ایسا سلوک کیا جاتا ہے جیسا ایک بڑے قید خانے میں قیدیوں کے ساتھ ڈیڑھ ملین (پندرہ لاکھ) فلسطینیوں کا باہر کی دُنیا سے کوئی رابطہ نہیں، ماسوائے رفاہ کراسنگ کے جو کہ مصر کے زیرِ کنٹرول ہے۔ اسی طرح مغربی کنارہ کے لوگوں کا بھی باہر کی دُنیا سے کوئی رابطہ نہیں ہے سوائے اُردن کے بارڈر کے جہاں وہ غزہ کی نسبتاً بہتر طریقے سے آ جا سکتے ہیں۔ موجودہ اسرائیلی حکومت کسی بھی امن معاہدہ کے سخت خلاف ہیں جس سے فلسطین اور اسرائیل کے مابین تعلقات معمول پر آ سکیں اور آزاد فلسطینی ریاست کا قیام عمل میں آئے اور خطے میں پائیدار امن ممکن ہو۔

1967 سے پہلے والے بارڈرز کے تحت قابل عمل، خودمختار ریاست فلسطین ہونی چاہیے، فلسطین کی ایسی ریاست ہو جس کا دل القدس الشریف ہو۔ اسرائیلی فوج نہتے فلسطینیوں کو کچلنے کے لیے سرگرم رہی ہے، پوری دنیا سے یہودی اکٹھے کر کے فلسطین میں بسانے اور فلسطینیوں کی اکثریت کو اقلیت میں بدلنے کے جرم میں امریکا اور مغربی ممالک برابر کے شریک ہیں، یورپی ممالک میں جانوروں کے حقوق پر تو بہت بات ہوتی ہے لیکن فلسطینیوں کی دادرسی کرنے والا کوئی نہیں۔ اسرائیل چاہے بم برسائے، ناکہ بندی کرے، فلسطینیوں کی نسل کشی کرے، ان کا معاشی قتل کرے، ناجائز دیوار کی تعمیر کرے، مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کرے، اسے کوئی روکنے والا ہے نہ باز پرس کرنے والا بلکہ اسرائیل کو خطے کا پولیس مین بنانا اور پھر اس کے ذریعے اپنے مذموم مقاصد کا حصول عالمی قوتوں کا پسندیدہ فارمولہ بن چکا ہے۔ اسی لیے ہزاروں جانیں گنوانے کے باوجود اور باعزت و پرسکون زندگی کے لیے ترستے فلسطینی دنیا کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔

مظلوم فلسطینیوں کے خلاف اسرائیلی جارحیت پر انسانی حقوق کے نام نہاد علمبردار ممالک کی اکثریت نے اسرائیل جیسی ناجائز ریاست کو تسلیم کر رکھا ہے۔مشرقی تیمور میں آزادی کے مطالبے کی عالمی برادری نے جس سرعت کے ساتھ حمایت کی کاش ایسی پھرتی فلسطین کے نہتے عوام پر اسرائیلی مظالم کے جواب میں بھی نظر آتی۔کیا غزہ میں بہنے والا بچوں کا لہو کسی دوسرے رنگ کا ہے؟ کیا فلسطینی مظلوموں کی چیخیں عالمی برادری کے دل دہلانے کے لیے ناکافی ہیں؟ کیا بے گھر فلسطینیوں کی تکالیف سے عالمی ضمیر پر کوئی اثر نہیں پڑا؟ سوالات تو اور بھی بہت سے ہیں لیکن جن سوالات کا پہلے سے ہی علم ہو ان کا کیا پوچھنا۔آج کا اسرائیل صرف فلسطینی سرزمین پر ہی قابض نہیں بلکہ اس کی ریشہ دوانیوں اور عالمی طاقتوں کی ہلاشیری کی وجہ سے ہمسایہ ممالک شام، اردن، لبنان سمیت پورا خطہ عدم استحکام کا شکار ہے۔1947 کی فلسطین جنگ اور 1967 کی 6 روزہ جنگ سے لے کر 1993 کے اوسلو معاہدے تک ذرا ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیلی مظالم کم ہوئے نہ اس کے توسیع پسندانہ عزائم کی راہ میں کوئی رکاوٹ ڈالی جاسکی۔ہاں یہ ضرور ہوا کہ مزید ممالک جن میں کچھ اسلامی ممالک بھی شامل ہیں، نے ناجائز ریاست کو جائز تسلیم کرلیا بلکہ اب تو امریکا سمیت کئی ممالک بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالحکومت بھی تسلیم کر چکے ہیں۔

دراصل اسرائیل شمالی غزہ میں بارڈر کے قریب کے علاقہ کو خالی کروانا چاہ رہا ہے تاکہ وہاں سے اسرائیل کے خلاف راکٹ نہ چلائے جا سکیں، چنانچہ وہ غزہ کی پٹی اور اسرائیل کی سرحد کا درمیانی علاقہ خالی کروانا چاہ رہے ہیں، اسرائیل کی حالیہ جارحیت کے عزائم میں سے ایک یہ بھی ہے، اسرائیل چاہتا ہے کہ غزہ میں فلسطینیوں کی مزاحمتی قوت کم سے کم ہوجائے اور اسرائیل پر راکٹ نہ داغے جاسکیں۔جہاں تک موجودہ بحران کے حل کا تعلق ہے تو اس میں بعض قوتیں موثر اور تعمیری کردار ادا تو کرسکتی ہیں مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ اِس مسئلے کے حل کے لیے کتنی مخلص ہیں؟ مثلاً امریکا ہے، اقوامِ متحدہ ہے اور اسلامی دُنیا ہے۔امریکی انتظامیہ اُن طاقتوں میں سے ہے جو اسرائیل پر دباؤ ڈال سکتے ہیں کہ وہ غزہ میں مظالم ڈھانا بند کرے مگر جب ہم امریکا کو یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ اسرائیل کو اپنا دفاع کرنے کا حق ہے تو ایسے میں اس سے کسی تعمیری اور منصفانہ کردار کی اُمید کیسے رکھی جاسکتی ہے؟ اصل مسئلہ عالمی قیادت کا ہے، بالخصوص انسانی بنیادوں پر مظلوم فلسطینی عوام کا قتل عام بند کروایا جائے فوری طور پر جنگ بندی کو ممکن بنایا جائے۔

فلسطینی نہتے مسلمان اپنی بے سروسامانی کے باوجود جوش ایمانی سے سرشار ہیں، عصری اسلحہ سے لیس نہ ہونے کے باوجود اسرائیلی جارحیت کا مقابلہ کر رہے ہیں، جذبہ ایمانی اور ایمانی رشتہ سے اخوت کا تقاضہ یہ ہے کہ عالم کے سارے انصاف پسندان کی حمایت میں کھڑے ہوں۔رجوع الی اللہ ہو نا دشمنوں کے مظالم سے بچنے کا واحد حل ہے اس میں بڑی غفلت دیکھی جارہی ہے، اس وقت فلسطینی مسلمان غیرانسانی سخت اذیتوں کا شکار ہیں۔لہٰذا تمام امت مسلمہ سے درخواست ہے کہ انفرادی اور اجتماعی دعاؤں میں مسجد اقصی کی حفاظت اور فلسطینیوں کی کامیابی کے لئے دعا کریں۔اللہ تعالی اسرائیل کے ظلم سے فلسطین کی حفاظت فرمائے اور فلسطینی مسلمانوں کی غیبی مدد و نصرت فرمائے۔آمین یارب العالمین

شعبہ نشر و اشاعت۔انجمن قاسمیہ پیری میٹ چنئی ٹمل ناڈو انڈیا

(مابقیہ) مسلمانوں کے دنیوی مصائب کے دینی اسباب

ازمولانا سید مناظر حسن صاحب گیلانیؒ۔

شاہ صاحب نے مشہور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس میں آیا ہے کہ مومن (مسلمان) کی مثال کھیتوں کے ان پودوں جیسی ہے جنہیں ہوائیں کبھی ادھر گراتی ہیں اور کبھی ادھر گراتی ہیں وہ کبھی ان کو سیدھا کر کے کھڑا کر دیتی ہیں، تا اینکہ دنیا میں قیام کی جو مقررہ مدت ہے وہ پوری ہو جاتی ہے برخلاف اس کے جو منافق اور مومن نہیں ہے اس کی مثال صنوبر کے اس اکڑے ہوئے درخت کے مانند ہے جو ہواؤں سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا، تا اینکہ ایک دفعہ اکھڑ کر زمین سے الگ ہو جاتا ہے۔ یعنی مثل المومن کمثل الخامه من الزرع نفيها الرياح نظر محامرة وتعالان اخرى حتى ياتيه اجله، ومثل المنافق كمثل الأمرزة المجدية التي لا تصيبها شي حتى يكون انجهاتها مرة واحدة۔ صحاح کی اسی حدیث سے مسلمانوں کی مجازاتی زندگی کی تشریح کی ہے۔

مطلب یہی ہوا کہ جہنم سے اپنا رشتہ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر توڑ نے موقعہ آدم کی اولاد میں جن لوگوں کو میسر نہ آسکا، ان کے لئے تو کھلا میدان ہے مرنے سے پہلے بھی، مرنے کے بعد بھی، قبر میں بھی حشر میں بھی جسر پر بھی اور بالآخر جن میں پہن کر بھی کافی گنجائش اپنے کرتوتوں کے خمیازوں کے بھگتنے کے لئے موجود ہے، یہاں نہیں تو وہاں، وہاں نہیں تو آگے اور بالآخر جہنم میں پہنچ کر مجازاۃ کے قانون کے نتائج کو اپنے سامنے وہ پائیں گے لیکن مومن کے لئے تو جہنمی سزاؤں کا کوئی موقع ہی باقی نہیں رہتا پھر برائیوں کے ساتھ بھلائیوں کا سلسلہ بھی کسی نہ کسی طرح وہ جاری ہی رکھتا ہے توبہ کرتا ہے استغفار سے کام لیتا ہے، ان نمازوں کو بھی پڑھتا ہے جن کی خاصیت بنائی گئی ہے کہ ایک وقت سے دوسرے وقت تک کے وقفہ میں جو گناہ بھی سرزد ہوتے ہیں ان سے نمازی کو پاک کرتی رہتی ہے پھر وضو کے آثار و نتائج بھی یہی بنائے گئے ہیں کہ پانی سے صرف بیرونی آلودگیوں ہی کی صفائی نہیں ہوتی بلکہ قرب حق کے باطنی احساس کے ساتھ چونکہ اعضاء کو وضو کرنے والا دھوتا ہے اس لئے باطنی اثر بھی وضو کا پڑتا ہے اور ہر عضو جو دھویا جاتا ہے اس عضو کے گناہ صاف ہو جاتے ہیں، حتیٰ کہ گھر سے نماز کی نیت کر کے جو نکلتا ہے تو ہر قدم پر بتایا گیا ہے کہ ایک ایک گناہ کو اڑاتا چلا جاتا ہے یہ اور ان کے سوا اعمال و اشغال کے دوسرے سلسلے ایسے ہیں جن سے گناہ کی روح پر مردہ ہوتی چلی جاتی ہے ایسی صورت میں مجازاۃ کا قانون مومن کے لئے صرف دنیاوی آلام و مصائب کے قالبوں میں منحصر ہو کر رہ جائے تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہئے۔ اور اسی سے اس اچھنبے کو بھی لوگ اپنے دلوں سے چاہیں تو دور کر سکتے ہیں، جو مسلمانوں کی ماضی و حال کی تاریخوں میں مصائب و آلام کا ہجوم نظر آتا ہے پچاس سال بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر گزرنے نہ پائے تھے کہ واقعہ حرہ میں پیغمبر کے شہر میں قتل عام کی مصیبت ٹوٹ پڑی۔

تین دن تک مدینہ کے رہنے والوں کے مال کے ساتھ جان کے ساتھ ناموس کے ساتھ وہ سب کچھ کیا گیا جو درندہ یا جنگل کے جانور بنکر آدم کی اولاد کبھی کبھی کر گذرتی ہے بلکہ اس سے پہلے بھی جبل و صفین و کربلا میں کیا کچھ نہیں دیکھا گیا، پھر ان مصائب کا سلسلہ کیا کسی صدی میں کبھی ٹوٹا ہے لوگ گھبرائے ہوئے ہے کہ قدرت کے سلمانوں کے ساتھ اس عجیب و غریب سلوک کی کیا توجیہ کی جائے ان کے شاعروں کو نمرود کی خدائی کا دھوکہ

ان کی بندگی پر بھی کبھی اس صورتحال کو دیکھ کرلگا۔سوال یہی ہے کہ گذشتہ بالاقرآنی حقائق کا صحیح حدیثوں اور حکماء اسلام کے افکار کی روشنی میں اگر مطالعہ کیا جائے۔تو مسلمانوں کے دنیوی مصائب کی توجیہ میں کیا کوئی دشواری باقی رہتی ہے،کیسی عجیب بات ہے کہ رحمتوں کے مظاہر میں جونہیں سوچتے ہیں ان کو زحمتوں کا زور نظر آتا ہے۔کاش! علمائے امت مسائل کے سوال پر بجائے تاریخ وزجر کے فکر ومہر سے کام لیں۔اور دنیا کی ایک قوم جودوسروں کی نگاہوں میں اضحوکتہ الامم بنی ہوئی ہے اور اپنے مال سے وہ خود مطمئن نہیں ہے،زندگی کا راز اس پر واضح کیا جاتا عارف روم نے موزے کے تمثیلی قصے کا ذکر کر کے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ عقاب موزے کو لے اڑا لیکن زمین پر اسی موزے کو اور پر چا کجب چھوڑا تو ایک کالا سانپ نکلا،تب کہا گیا کہ ''موزہ بر بودی ومن درم شدم تو بردی ومن در شدم'' اور آخر میں اسی سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کان بلا دفع بلاہائے بزرگ واں زباں منع زیانہائے سترگ

لیکن ظاہر ہے کہ دنیا کے مصائب وآلام میں تخفیف وتخیل کی کارفرمائیوں اوران کارفرمائیوں میں قدرت کے تکوینی مراحم کی قیمت کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جنہوں نے محمد رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم کو غیبی حدود کے حوادث وواقعات کے لئے عین الیقین بنایا ہے جہنم میں جسر پر حشر میں، قبر میں جن مہیب وجاں گسل مناظر سے انسانیت دوچار ہوگی عین الیقین کی اسی معصوم اور مقدس آنکھ سے آج بھی ان کا مطالعہ کر رہے ہیں باقی اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے کی وجہ سے اور مسلمانوں کی جماعتمیں شریک ہونے کے مجرم بن کر دنیا بھر کی مصیبتوں کو بھی جھیلتے چلا جانا، اور خود اسلام اور اسلام کے پیغمبر علیہ وسلم کی صداقت کو بھی اشتبہا ہی ذہنیت میں شعوری یا غیر شعوری طور پر دفن کئے رہنا جن دین باختوں کی یہ حالت ہے واقعہ یہ ہے کہ دین ہی نہیں بلکہ وہ تو اپنی عقل کے ساتھ ہی کھیل رہے ہیں، **وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون** دن اپنے اس استفہامی معروضہ کو ختم کرتے ہوتے آخر میں چاہیے کہ اب تک جو کچھ کہا گیا اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ جہنم سے بے تعلق قطعا بے تعلق ہو جائے کہ بعد مسلمانوں کو حق تعالیٰ کے فضل وکرم یا اپنے محبوب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور دعاؤں کی ضرورت باقی نہیں رہی واقعہ یہ ہے کہ جہنم سے پہلے مسرتوں کے مختلف منازل اور مختلف قالبوں میں ان کے ظہور کی خبریں جو دی گئی ہیں جیسے مکفرات یعنی اعمال صالحہ توبہ واستغفار، صلوۃ وصیام، حج وزکوۃ وغیرہ ان سزاؤں کا قالب بھی اور ان کا محل ومقام بھی تخفیفا بدلتا ہوا جلا جاتا ہے، جسر سے ہٹ کر حشر میں حشر سے ہٹ کر قبر میں، قبر سے ہٹ کر خود اسی سحیوۃ الدنیا۔

پست زندگی میں مجازاہ کا قانون اپنے قدرتی اقتصار کو پورا کرتا ہے اور دنیا میں بھی بڑی مصیبتوں کو نسبتا ہلکی مصیبتوں کی شکل میں بدل دیا جاتا ہے حتی کہ جوتر دد جوتیوں کے تسمے کے ٹوٹنے سے کسی معمولی چیز کے تل پٹ ہوجانے یا رل مل جانے کی وجہ سے ہوتا ہے یہاں تک کہ تحویل وتخفیف و تحویل کا قانون اترتے ہوئے چلا آتا ہے حتی کہ بعض بزرگوں کا خیال ہے خوابمیں بھی موش اور پریشان کن حالات تک کی شکل مجازاۃ کا یہی قانون بھی کبھی اختیار کر لیتا ہے گویا رؤیا میں اپنے کرتوتوں کی سزا بھگتنے والے بھگت لیتے ہیں اسی طرح سزاؤں کی ان ہی منزلوں میں حق تعالی کی رحمت بھی دستگیری فرماتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بھی اپنا کام کرتی ہے بلکہ جرائمکے نتائج سے پاک ہونے کے بعد بہشتی زندگی سے استفادہ تو زیادہ تر فضل حق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبری کے ساتھ وابستہ ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

مسجد اقصی کے حقوق اور فلسطینیوں کی غیرت ایمانی

از مفتی ابوبکر جابر صاحب قاسمی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، امابعد!

فلسطین کی جغرافیائی حیثیت میرے عزیز و دینی بھائیو! آپ سب حضرات کے علم میں ہے مسجد اقصی، قبلہ اول، بیت المقدس، سرزمین فلسطین کا علاقہ، غزا اسرائیل سے زبردست گھمسان کی جنگ، مزید اس کے اوپر تنگیاں، پورے ملک کے اندر پوری دنیا میں، سرزمین شام جس کا ایک حصہ فلسطین ہے، سرزمین شام جس کو حقیقت میں بانٹ دیا گیا، اردن میں، فلسطین میں، اور ایک حصہ شام اور سیریا، اس سرزمین کی قران نے تعریف کی ''بارکنا حول'' اللہ نے مبارک علاقہ بتا یا زیتون کے پھل اگنے والی، والی سبزیوں کی غیر معمولی قسم کی حجم، اور سائز، اس سرزمین کو قرآن نے ارض مقدس کہا حدیث میں سرزمین شام کو ارض محشر کہا گیا، قیامت جہاں بپا ہوگی، سرزمین شام اور سرزمین فلسطین کے بارے میں مستقل علماء کی کتابیں موجود ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہاں پر خِیَرَةُ عِبادِ اللہِ صَفْوَةُ خَلْقِ اللہ انسانیت میں سب سے چندہ لوگ، اللہ کے یہاں کے پسندیدہ لوگ، وہاں کی سرزمین پر رہنے والے ہوں گے۔

یہودی اس سرزمین کی بدترین قوم:

حضرت عیسی علیہ السلام کا دجال سے آخری مقابلہ، دجال کا قتل کیا جانا، اسرائیل کی سرزمین پر، باب لد پر ہوگا، حدیثوں میں واضح طور پر کہا گیا، انسانی تاریخ کی زبردست یہ سچائی ہے، اور انسانی تاریخ کی یہ سچائی اپنی نسلوں کو بتلانا چاہیے، کہ یہودی قوم اس سرزمین پر سب سے بدترین قوم ہے، نبیوں کو قتل کرنے والی ہے، تورات کو بدلنے والی ہے، حضرت مریم علیہ السلام پر بدکاری کا الزام لگانے والی، حضرت عیسی علیہ السلام سے دشمنی کھڑی کرنے والی، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشیں رچنے والی قوم ہے، ہم یہود کے بارے میں، جیوش کے بارے میں، یہ سچائیاں ہمارے علم میں ہونا چاہیے، کہ دنیا کے مکار قسم کے لوگ سود کے ذریعے سے ساری دنیا کے کیپیٹل ازم (capital ezam) کے نظام کو مسلط کر کے پیسہ نوچنے والی قوم ہے خانہ جنگیاں، انسانوں کے درمیان مختلف قسم کی منافرتیں پیدا کرنا، یہ قوم یہود کی خاصیت ہے، خلافت عثمانیہ اور عثمانیہ ایمپائر چبھتا تھا ان کی آنکھوں میں، اسی زمانے میں فرسٹ وار (first War) ہوئی، پہلی جنگ عظیم لڑی گئی، خلافت عثمانیہ کا زوال آیا، مختلف علاقوں میں لوگوں نے بغاوتیں کیں، اور 1918 میں فلسطین کا علاقہ خلافت عثمانیہ سے باہر نکال لیا گیا، قوم یہود بھی انتظار میں ہیں مسیح کے، اور ہم بھی انتظار میں ہیں مسیح کے، وہ انتظار میں ہیں مسیح دجال کے ہم انتظار میں ہیں عیسی مسیح علیہ السلام کے، حضرت عیسی علیہ اسلام آسمان سے دنیا میں اتارے جائیں گے، شام کے علاقے میں جامع دمشق کے سفید مینار پر، فرشتوں کے سہارے ادھیڑ عمر میں، دجال ان کے سامنے کھڑے نہیں ہو پائے گا، مقابلوں کے بعد یاجوج ماجوج کے صفائیہ کے بعد، پوری دنیا میں انصاف قائم ہوگا، نکاح کریں گے، صاحب اولاد ہوں گے، امام مجتہد ہوں گے، امتی بن کر آئیں گے، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں حضرت عائشہ کے حجرے میں دفن کیے جائیں گے۔

اسرائیل کے وجود کی ابتداء:

فرانس اور برطانیہ نے اور اس کے ساتھ امریکہ نے مل کر اسرائیل جیسی ناجائز اولاد کو ناحق طریقے پر فلسطین کے علاقے میں بسایا، اپنوں کی بے وفائی، اور اپنوں کا داخلی انتشار، اور اپنوں کا دشمنوں کے ساتھ ساز باز کر لینے کے نتیجے میں یہودیوں کا تسلط اور اس کا سامراجی نفوذ اور یہودیوں کی زیادتیاں اور ان کی کالونیوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

فلسطینیوں کی غیرت ایمانی:

فلسطین بہت ہی نہتے، اور فلسطینی بہت ہی ٹوٹے ہوئے لیکن اللہ تبارک وتعالی نے دینی حمیت سے، اسلامی غیرت سے، قبلہ اول کی حفاظت، اور پاسبانی کے لیے، اپنی نسلوں کی پرورش، ان کی عورتوں کے اندر کے جذبات، واقعی جب ان کے واقعات کو سنا جاتا ہے، اور ان کی جرات مندی کو دیکھا جاتا ہے تو اپنے اوپر نفاق کا یقین ہونے لگتا ہے، اسلام پر جینے اور مرنے کے جذبے حتی الامکان رتی برابر بیت المقدس، اور مسجد اقصی سے دستبرداری کے سلسلے میں رتی برابر تیار نہ ہونے والی قوم، غزا کا علاقہ جہاں پر اسلامی خلافت کا ایک نمونہ ہے، غزا کا وہ علاقہ جس کی ساری دنیا کے اندر آج بازگشت، اور آواز سنائی دے رہی ہے، 40 کلومیٹر کا علاقہ کون سی بڑی جنت ہے، جس کے لیے جنگیں لڑی جا رہی ہیں، مذہبی کیا اہمیت ہے، کہ جس کے لیے امریکہ اپنے میزائلوں، اپنے ہوائی جہازوں، اور اپنے فوج کو لے کر مسلط ہو جاتا ہے، وہاں پر رہنے والی کون سی بڑی کروڑوں کی تعداد ہے، کہ جس کے مقابلے کے لیے ہزاروں قسم کی فوجیں، طاقتور قسم کے ہتھیار استعمال کیے جاتے ہیں۔

ذاتی مکان، ذاتی کاروبار، اپنی بیوی بچوں کے مسائل، اسٹریلیا، کینیڈا کے شوق، اپنے فارم ہاؤس کی تعمیر، اپنے بیماریوں کے غم، اپنے ساس، بہو، کے جھگڑے، ہمارے ذہن و دماغ پر اتنے زیادہ سوار ہیں کہ بہت کم لوگوں کو ان اجتماعی مسائل کے سلسلے میں دلچسپی ہے، بہت کم لوگوں کے آنسو بہتے ہیں ان حالات کو دیکھ کر، بہت کم لوگوں کو توفیق مل رہی ہے رات میں اٹھ کر اللہ کے سامنے کم سے کم دو گرم گرم موٹے موٹے آنسو بہانے کے لیے، ان بہنوں ان بھائیوں ان بچوں کی شہادت کے واقعات کو دیکھ کر۔ ہم تو راضی ہو گئے کفریہ نعرے بکنے کے لیے، ہم تو راضی ہو گئے نئی تعلیمی پالیسی قبول کرنے کے لیے، ہم تو راضی ہی ہیں اذاں کی آواز بند کروانے کے لیے مسجدوں سے دستبرداری کے لیے، ہم تو راضی ہو گئے اپنی بیٹیوں کے مرتد ہونے پر، اپنے بچوں کے اسٹریلیا، کینیڈا کے پیارے کر اتھیسٹ (الحاد) عیسائی بن کے مرنے پر لیکن وہ قوم کیسی جیالی ہے، وہ قوم کیسی عظیمت، اور اولوالعزمی کی اعلی مثال ہے، اس زمانے میں جو اپنے بچوں کی پرورش کرتی ہیں، اللہ کے راستے میں شہادت کیلئے، جہاں پر پانی کا جانا، دودھ کے ڈبے کا داخل ہونا، غذا کے سامان کا پہنچنا، اتنا آسان نہیں ہے، دشمن کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا ہے، لیکن اس کے باوجود اس بے سروسامانی میں، اس فاقہ کشی میں، عقیدہ آخرت کا بھی کیا عجوبہ والا اثر ہے، خدا ترسی کی بھی کیا طاقت ہے، اسلامی شعائر کی حفاظت کا بھی کیا غم ہے، ان لوگوں کو کہ شوہر کا جنازہ اٹھنے پر شہید کی بیوہ اللہ کا شکر ادا کرتی ہیں، کہ میرے شوہر کی جان قبلہ اول کی حفاظت کے لیے قبول ہو گئی، صبح سے شام تک کے لیے ایسی بڑی تعداد ہے عورتوں کی جو ایک ایک بیٹھک میں قران ختم کرنے والی ہیں، نابیناؤں کے مدرسے ہیں، گونگے بہروں

کے اشاروں سے حفظ کرنے کے مدرسے ہیں۔

ہم نے کھلے ماحول کو لے کر کیا کر لیا، ہم نے کافی حد تک اس غزا کے مقابلے میں پر امن اور موافق حالات کو لے کر ہم نے کیا فائدہ اٹھالیا، اللہ جل جلالہ کا ایک ضابطہ ہے، اللہ کی مدد ضرور آتی ہے اور اللہ کی مدد ہی کی دلیل ہے کہ 70 سال سے بتیس دانتوں کے درمیان اتنا چھوٹا سا نہتہ علاقہ، پوری دنیا کو چیلنج کرتا ہے، پوری دنیا کی طاقتیں اپنی شکست وخوردگی کو ماننے پر مجبور ہو جاتی ہیں، گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتی ہیں، روزے کی حالت میں، تراویح کی حالت میں اللہ تعالی کی یہ مدد یں ہیں، اور فتح کا ہونا، حوالگی کا ہونا، آزادی کا ہونا مکمل بیت المقدس کے سلسلے میں مسلمانوں کا با اختیار ہونا، اللہ تبارک وتعالی کا ازلی فیصلہ ہے، یہ تقدیر کا فیصلہ ہے، یہ خبریں نہیں ہیں، کہ اخبار کی نیوز نہیں ہے، یہ میڈیا کے پھیلائے ہوئے کوئی پروپگینڈے نہیں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے، یہودی قوم کی دشمنی زمین وآسمان میں نہیں ہے دنیا کے ایک ایک فرد میں نہیں ہے برگد کے ایک ایک درخت کے اندر یہودی کی دشمنیاں آجائے گی اور درخت کہے گا میرے پیچھے یہودی کھڑا ہے، اسے قتل کر دیا جائے، ہم تعلیمی نظام میں کتنے غلام ہیں، دینیات کو شامل کرنے کی ہمت نہیں ہوتی، اسلامی شعائر کی عظمت، اسلامی شعائر کے سلسلے میں، دلوں میں غم یہ کوئی سیاسی بات نہیں ہے، یہ کوئی جذباتی گفتگو نہیں ہے، یہ ایک مذہبی وابستگی، اور دینی غیرت کا مطالبہ ہے۔

حضرت مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ کے گھر میں ایک کام کرنے والی خاتون 1970 کے دہے میں ایا کرتی تھی، بالکل ان پڑھ قسم کی عورت، اور وہ پوچھتی تھی، مولانا سجاد صاحب کے گھر کے مردوں سے، بیٹا قبلہ اول کا کیا حال ہے، بیت المقدس کا کیا حال ہے، ہم تو غریب لوگ ہیں، ان پڑھ لوگ ہیں، ہم سے کچھ ہوتا نہیں ہے، چیونٹیوں کو آٹا ڈال کر دعا کرتی ہوں، اے اللہ بیت المقدس کی حفاظت فرما، ایک گھر میں کام کرنے والے خادموں کو بیت المقدس سے اس قدر دل وابستگی ہے، ہم تو لقمہ کم نہیں کر سکتے ہیں، ہم نیند کے چند منٹ کم نہیں کر سکتے ہیں، ہمیں اپنے دل کے زندہ اور اپنے دل کے پتھرا جانے کے سلسلے میں ٹٹول کر دیکھنا چاہیے، اپنی ضمیر کی زندہ اور اپنی ضمیر کے بے حس ہونے کے سلسلے میں جانچ لینا چاہیے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ کا نکاح ہوا، بہت ہی رئیس گھرانے کی خاتون، حضرت نے اس رئیس گھرانے سے پہلے ہی کہا، کہ میری زندگی کی ترجیحات الگ ہیں، میری زندگی کی تمنائیں الگ ہیں، میرے ساتھ آپ کی بیٹی رہ نہیں پائے گی، آپ کسی خوشحال گھرانے میں نکاح کر دیجئے، تاکہ ان کو زندگی کی راحتیں لذتیں ملیں، پتہ نہیں میرے ساتھ فاقہ جھیلنا پڑے، قوم کے کام کے لیے انہیں مجھ سے زیادہ وقت دور رہنا پڑے لیکن رئیس گھرانے کے لوگوں نے کہا اور ان بیاہی جانے والی لڑکی نے کہا، کہ اگر میرا نکاح ہوگا تو مولوی قاسم صاحب کے ساتھ ہی ہوگا، وہ لڑکی آئی رخصتی کے بعد، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے اس خاتون کو اوپر سے نیچے تک دیکھا سونے سے سجی ہوئی، لدی ہوئی، قریب نہیں جا سکے، بیوی حیران ہوگئی، آکر معافی چاہنے لگی، شرمندگی کا اظہار کرنے لگی، کوئی گستاخی ہوگئی تو معاف کر دیجئے، حضرت نانوتوی نے فرمایا بات وہی ہے جو میں نے نکاح سے پہلے کہا تھا، کہ میں آپ کا حق ادا نہیں کر پاؤں گا، آپ کے ساتھ مزاجی ہم آہنگی نہیں ہو پائے گی، اپ کے طبعی مزاج کا خیال میں نہیں رکھ پاؤں گا، آپ جس معیار زندگی اور سٹیٹس سے آئی ہیں، وہ سٹیٹس شاید اپ کو میرے پاس نہیں ملے گا، اس بہن نے کہا، اس عظیم خاتون نے کہا، آپ مجھے حقیقت بتلایئے، میں مرنا اور جینا اپ کے ساتھ چاہتی ہوں، قربانی آپ جو چاہے مجھ سے لے لیجیے، شرم آتی

ہے ہمارے عقیقوں کی دعوتیں بڑے بڑے بینکیوٹ ہال (banquet hall) میں دیکھ کر، واقعی سرنیچے ہوجاتا ہے، یہ سن کرکہ چہلم کی دہم کی دعوتوں میں بھی، دودو قسم کے میٹھے بنائے جاتے ہیں، چار چار قسم کے چکن بنائے جاتے ہیں، کھاتے کھاتے مرجائیں گے، محرم میں دم کے روٹ، اور پتہ نہیں کون کون قسم کے میٹھے، جن پر ہماری تمنائیں اور تنہائیاں لٹ رہی ہیں، ایسی عظیم عورت نے اپنا پورا سونا اتارا، ایک کپڑے میں لپیٹا، حضرت نانوتوی کی خدمت میں پیش کیا، اس وقت ترکی حکومت کے لیے جنگ، بلقان کی امداد مسلمانوں کے اور خلافت کے ملک کے ترجیحی کاموں کے لیے امداد جمع کی جارہی تھی، حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ نے اس عظیم عورت کا مال دینی خدمات میں استعمال کیا، اس بہن نے اپنا نذرانہ پیش کیا۔

آج دارالعلوم اور خلافت عثمانیہ ایسی مائیں بھی تو ملیں، زیوروں کے بدلنے کے لیے لڑتی ہیں، ایسے تو بہت ہیں کپڑوں کے انبار، جوتوں کے انبار، اپنے ریکوں میں رکھی ہوئی ہیں، کاش کوئی ایسی بیٹی، کاش کوئی ایسی ماں، اسٹریلیا جانے کے لیے 16 لاکھ قرض لینے والے، اور کینیڈا جانے کے لیے 19 لاکھ کا لون، بدترین قسم کی نحوست مول لینے والے ہیں، نوجوان ملتے ہیں ایک مکتب کا بوجھ تین ہزار کا اٹھایا نہیں جاتا، کوئی ایجوکیشن فری اپنی بیٹیوں کے ارتداد کو دیکھ کر سکول کھولا نہیں جاسکتا، اس سے کم پیسے میں اس سے کم قربانی میں، ہم اپنی تعلیم ادارے قائم کر سکتے ہیں، توفیق چھن گئی ہیں، تمنا میں مردہ ہوگئی ہیں، اللہ سے اس موقع پر غزہ کے مسلمانوں سے زیادہ اپنی محرومی کے لیے رونا چاہیے، فلسطین کے مسلمانوں سے زیادہ اپنی بدنصیبی پر رونا چاہیے، کہ ان کے وسیلے سے اللہ میری نسل کو بدل دے ان کے ماؤں کے شہادت کے جذبے پر اللہ میری ماؤں کے دل کے کچھ جذبے کو بدل دے، اصل موقع تو ہم قابل رحم ہیں ان کے مقابلے میں، وہ قابل رشک ہیں ہماری بانجھ زندگیوں کے مقابلے میں، اللہ تبارک وتعالی صحیح علم وفہم کی توفیق عطا فرمائے، ہر قسم کے دشمن کے پروپیگنڈے سے متاثر ہونے سے ہماری حفاظت فرمائے۔

کم از کم دعا، صدقات، روزوں، تہجد، کے ذریعے سے ان کے کاز میں شریک ہونے کی اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

بہنوں کو میراث سے محروم کرنے کی رسم کی اصلاح

مفتی مبین الرحمن صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

میراث سے متعلق رائج ہونے والی سنگین کوتاہیوں میں ایک بڑی کوتاہی یہ بھی عام ہو چکی ہے کہ بھائی اپنی بہنوں کو والدین کی میراث میں سے حصہ نہیں دیتے، حالاں کہ بہنوں کو ان کی میراث سے محروم کرنا حرام اور ظلم ہے اور یہ حقوق العباد کا معاملہ ہے جس کا حساب اور سزا بہت ہی سخت ہے۔ واضح رہے کہ بہنوں کو میراث سے محروم کرنے کے کئی پہلو اور کئی بے بنیاد دلائل معاشرے میں عام ہیں، ذیل میں مختصر انداز سے ان کی حقیقت ذکر کی جا رہی ہے تاکہ اس قبیح رسم کی اصلاح ہو سکے:

(۱): کہیں تو یہ رواج ہے کہ بھائی اپنی بہنوں کو ان کا حصہ اس لیے نہیں دیتے کہ ان کے نزدیک میراث میں بہنوں کا حق بنتا ہی نہیں۔ اس غلط نظریے کو ثابت کرنے کے لیے ایسے لوگ طرح طرح کے بے بنیاد، غلط اور خودساختہ دلائل دیتے نظر آتے ہیں، چنانچہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ والدین نے ان کی شادی میں جو خرچہ کیا تھا وہ اس میراث کے بدلے ان کے لیے کافی ہو گیا، اس لیے ان کا میراث میں سے حصہ نہیں بنتا، حالانکہ خرچہ تو ان بھائیوں کی شادیوں میں بھی اچھا خاصہ کیا گیا تھا، لیکن اپنے آپ کو میراث سے محروم کرنے کے لیے اپنی اس نامعقول دلیل کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہماری قوم اور معاشرے میں بہنوں کو حق نہیں دیا جاتا۔ حالانکہ اللہ تعالی کے کسی حکم کو قومی اور معاشرتی خودساختہ رواج کی بنیاد پر کیسے ختم کیا جا سکتا ہے؟ جبکہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب ان بہنوں کی شادی ہو چکی اور یہ اپنے سسرال کی ہو چکی تو اب والدین کی میراث میں ان کا حصہ نہیں بنتا۔ اس طرح کے جتنے بھی دلائل دیے جائیں وہ سب کے سب غلط، بے بنیاد، ناقابل قبول اور منگھڑت ہیں، ان کی وجہ سے بہنوں کو ہرگز میراث سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

(۲): کہیں تو یہ رواج ہے کہ بہنوں کا والدین کی میراث میں سے اپنا طے شدہ حصہ مانگنا معاشرے میں معیوب سمجھا جاتا ہے، اس وجہ سے جب وہ اپنا حصہ نہیں مانگ سکتیں تو بھائی بھی ان کو ان کا حصہ نہیں دیتے۔ ظاہر ہے کہ محض اپنا حصہ نہ مانگنے سے کوئی وارث اپنے حصے سے محروم نہیں ہو جاتا خصوصاً جب وہ نہ مانگنا معاشرے کے کسی جبر کی وجہ سے ہو تو ایسی صورت میں تو کسی طور اسے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

(۳): کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر بہنیں اپنی میراث کا حصہ طلب کرتی ہیں تو بھائی ان کو طرح طرح کی دھمکیاں دیتے ہیں کہ اگر تم نے اپنا حصہ مانگا تو ہمارا یہ بھائی بہن کا رشتہ ختم سمجھو، ہمیں بھائی نہ کہنا، تمہیں بھائی چاہیں یا مال؟ وغیرہ۔ بھائی ایسا رویہ اختیار کر کے بہنوں پر دباؤ ڈالتے ہیں کہ وہ اپنا حصہ معاف کر دیں اور اس کا مطالبہ نہ کریں۔ ظاہر ہے کہ ایسی معافیاں ہرگز معتبر نہیں ہوتیں۔

(۴): کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ بہنوں کو میراث میں سے ملنے والا حصہ کافی زیادہ ہوتا ہے لیکن بھائی ان کو حج وعمرہ کرا کر یا کوئی گھر، گاڑی وغیرہ دلا کر یا معمولی سی رقم دے کر یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنا حصہ معاف کر دیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی معافیاں کہاں معتبر ہوتی ہیں! یہ تو اپنے آپ کو دھوکہ دینے والی اور حقائق سے آنکھیں بند کر دینے والی بات ہے۔

(۵): کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ بھائی کھلم کھلا مذکورہ بالا غلط طریقوں اور جبر سے تو کام نہیں لیتے البتہ نرمی سے بہنوں سے اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنا حصہ معاف کر دیں۔ حالاں کہ مروجہ صورتحال کے پیش نظر اگر اس مطالبے پر بہنیں اپنا حصہ معاف بھی کر دیں تب بھی ایسی معافیاں معتبر نہیں ہوتیں، کیوں کہ یہ خوش دلی سے ہرگز نہیں ہوتیں، بلکہ ان کے پیچھے کسی نہ کسی درجے میں جبر اور دباؤ ضرور موجود ہوتا ہے اگر چہ اس کا صریح لفظوں میں اظہار نہ کیا جائے۔

(٦): اس معاملے چند قابل ذکر پہلو یہ بھی ہیں کہ ایک تو بھائی اپنی بہنوں سے میراث کی معافی کا مطالبہ ہی کیوں کرتے ہیں؟ معافی کا تذکرہ کیے بغیر ہی ان کا حصہ ان کے حوالے کیوں نہیں کر دیتے؟ کیا یہ ان کا حق نہیں؟ کیا انھیں اپنے حق کا ملنا غلط، معیوب یا نا مناسب بات ہے؟ کیا والدین کی میراث پر صرف بھائیوں کا حق ہے؟ کیا مال ودولت کی ضرورت صرف بھائیوں کو ہے؟ بہنوں کو اس کی ضرورت نہیں؟ عجب تماشا ہے کہ جب بھی بہنوں کو ان کی میراث کا حصہ دینے کی باری آتی ہے تو ان سے معافی کے مطالبات شروع ہو جاتے ہیں! دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ معافی کے مطالبے صرف بہنوں ہی سے کیوں کیے جاتے ہیں؟ اور بہنیں ہی کیوں اپنا حصہ معاف کریں؟ کیا بھائی یہ ہمت نہیں کر سکتے کہ وہ اپنا حصہ معاف کر کے وہ سب کچھ بہنوں کے حوالے کر دیا کریں؟ یہ بھلا کیسے غیرت مند بھائی ہیں جو بہنوں سے تو معافی کا مطالبہ کرتے ہیں اور خود سب کچھ ہڑپ کر جاتے ہیں! تیسرا پہلو یہ ہے کہ بھلا مال ودولت سے کس کو محبت نہیں ہوتی؟ کس کو مال ودولت کی ضرورتنہیں ہوتی؟ ذرا ان بہنوں کے حصے کا مال ان کے حوالے کر کے انھیں کلی اختیار دے دیا جائے اور معافی کا تذکرہ تک نہ کیا جائے، پھر دیکھیے کہ کون اپنی خوشی سے اپنا حصہ معاف اور واپس کرتا ہے؟!

حاصل یہ کہ بہنوں کو اپنا حق ضرور دینا چاہیے، یہ حق اللہ تعالی ہی نے ان کے لیے مقرر فرمایا ہے، ان کا یہ حق کسی جبر، دباؤ یا بے بنیاد دلائل سے ہرگز معاف نہیں ہوسکتا۔ اور یہ جو معافی کے جتنے بھی طریقے اختیار کیے جاتے ہیں ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، بلکہ یہ اپنے آپ کو دھوکہ دینے والی باتیں ہیں۔ کل قیامت کو ایک ایسی عدالت لگنے والی ہے جہاں ہر حق دار اور مظلوم کی دادرسی کی جائے گی اور ہر ظالم کا سخت حساب ہوگا۔

قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ: مَنْ قَطَعَ مِيرَاثًا فَرَضَهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ قَطَعَ اللّٰهُ بِهِ مِيرَاثًا مِنَالجَنَّةِ «۔ (صلة الأرحام). السنن الكبرى للبيهقي:. أَخْبَرَنَاأَبُو بَكْرِبْنُ الْحَارِثِ الْفَقِيهُ: أَخْبَرَنَاأَبُو مُحَمَّدِبْنُ حَيَّانَ: حَدَّثَنَا حَسَنُ بَكْرِبْنُ الْحَارِثِ الْفَقِيهُ: حَدَّثَنَا حَسَنُ بَكْرِيٍّ بِنَاثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادُبْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي حُرَّةِ عَلَي اللهِ عَنْ أَبِي حُرَّةَ الرَّقَةَ: قَالَ: »لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِطِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ. (كتاب الغصب: باب مَنْ غَصَبَ لَوْحًا فَأَدْخَلَهُ فِي سَفِينَةٍ أَوْ بَنَى عَلَيْهِ جِدَارًا)

شعب الإيمان ٧٥٩٤-

(ایک خطرناک وبا)

مسلمانوں کا ہوٹلوں اور ڈھابوں میں کھانے کا بڑھتا ہوا رجحان

مفتی خلیل الرحمن قاسمی برنی امام وخطیب مسجد الفاروق ولیمس ٹاؤن بنگلور

بزرگوں کی زبانی ہمیشہ یہ ہدایت سنی گئی ہے کہ: روحانیت کی حفاظت اور باطنی انوار کے حصول کے لیے باہر کے کھانوں سے احتراز بہت ضروری ہے۔اس سلسلے میں اپنے ایک بزرگ حضرت قاری منیر احمد صاحب نقشبندی رحمہ اللہ سے ایک واقعہ بھی سنا تھا۔یہ واقعہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ کے ایک صاحبزادے کا ہے۔تیرہ سال کے کم سن یہ صاحبزادے روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو گئے تھے۔کشف کرامات میں بھی بہت اعلیٰ اور مضبوط مقام حاصل کرلیا تھا-ان کی کشفی کیفیات عام حدود سے متجاوز ہورہی تھیں۔خلق کا ہجوم ہونے لگا،بھیڑ جمع ہونے لگی۔ان کی زیارت وملاقات کے لئے دور دراز سے لوگ آنے لگے۔لوگ سوالات کرتے اور یہ کشف کے ذریعہ بہت سے حالات واحوال بتاتے۔اس سے بے انتہاء شہرت ہوگئی۔حضرت مجدد صاحب کو ڈر ہوا کہ کہیں آگے چل کر یہ کوئی فتنہ کی شکل نہ ہوجائے۔اس لئے وہ اپنے صاحب زادے کو لے کر دہلی اپنے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی رحمہ اللہ کی خدمت میں تشریف لائے اور اپنے صاحبزادے کی اس حالت کا ذکر کیا اور علاج چاہا۔حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے فرمایا: ایک دِن بازار کا کھانا کھلا دو! علاج ہوجائے گا۔چنانچہ ان کے والد حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے مرشد کی تجویز کے مطابق صاحب زادے کو بازار کا کھانا کھلا دیا۔جیسے ہی انہوں نے یہ بازاری کھانا کھایا ان کی وہ کشف و الی کیفیت ختم ہوگئی۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بازار کے کھانے کا روحانی کیفیات پر کتنا اثر پڑتا ہے-روحانیت اور باطنی نور اور ایمانی کیفیات سے محروم ہونے کے دیگر اسباب کے ساتھ یہ بھی بڑا سبب ہے جو تیزی سے پھیلتا جارہا ہے۔

کچھ سالوں پہلے تک مسلمانوں میں عام طور پر باہر کے اور ہوٹلوں کے کھانوں کا رجحان بہت کم تھا۔مسافرین،ہوٹلوں میں جاتے یا بے حد ضرورت کے موقع پر ہوٹلوں کا رخ کیا جاتا۔اور ہوٹل بھی عام طور پر ایسے ہی علاقوں میں زیادہ کھولے جاتے تھے،جہاں مسافروں کی آمد ورفت ہوتی تھی،اور ڈھابے بڑی شاہ راہوں پر فاصلوں کے ساتھ ہوتے تھے۔جن پر ٹرک ڈرائیوروں لانگ روٹ کی بسوں کے مسافروں اور کار کے ذریعہ لمبا سفر کرنے والوں کے لئے کھانے اور آرام کا انتظام ہوتا تھا۔ان ڈھابوں پر شراب نوشی کا بھی انتظام ہوتا تھا۔عام مسافر وہاں جانا اور رکنا پسند بھی نہیں کرتے تھے۔مگر آج یہ حال ہے کہ ہوٹل بھی ہر جگہ ہر محلہ میں اور ڈھابے بھی فاصلوں کے ساتھ نہیں بلکہ قطار در قطار شہروں سے نکلتے ہی دور تک آپ کو سجے سجائے،آراستہ کیے ہوئے،بجلی کے قمقموں کے ساتھ بے شمار نظر آئیں گے۔مسلمانوں کا وہ طبقہ جو غربت وافلاس سے نکل کر آسودہ حالی کی طرف نیا نیا آیا ہے اور مڈل کلاس میں شامل ہوگیا ہے،وہ اس ہوٹل اور ڈھابے والی وبا کا شکار زیادہ نظر آرہا ہے۔الا ماشاء اللہ۔اس طبقہ کے نوجوانوں میں ہوٹلوں اور ڈھابوں میں کھانا کھانے کا رجحان روز بروز بڑھ رہا ہے۔اس کے علاوہ اور بھی کئی طرح کی سماجی برائیاں اور خرابیاں اس طبقہ کو اپنی جکڑ میں لے رہی ہیں۔

کچھ ڈھابوں اور ہوٹلوں میں بڑے پیمانے پر تزئین و آرائش کے ساتھ خواتین و بچوں کے لئے خصوصی انتظامات و اہتمام اور مسلمانوں کے لئے نماز پڑھنے کی مخصوص جگہ بھی بنادی گئی ہیں۔جس کی وجہ سے مسلم گھرانوں نے لپک کر ان ہوٹلوں اور ڈھابوں کا رخ کرنا شروع کر دیا ہے۔دیکھا جاتا ہے کہ یہ ہوٹل اور ڈھابے مسلم نوجوانوں بچوں اور برقع پوش مسلم خواتین سے بھرے اور آباد دکھائی دیتے ہیں۔چھٹیوں کے دن یہاں خاص طور پر رش رہتا ہے۔بے پناہ ہجوم ہوتا ہے،اور لوگ اپنی باری کا انتظار کرتے ہیں۔اب چونکہ عام طور پر ان ڈھابوں کا اور ہوٹلوں کا ماحول کسی قدر پاکیزہ،صاف ستھرا،بدتمیزی اور منشیات کے جھگڑوں سے دور ہوتا ہے۔اور فیملیوں کے لئے بھی مخصوص جگہ ہوتی ہے۔جہاں پردہ بھی آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔اس لئے یہاں آنے پر حرام اور ناجائز ہونے کا تو حکم نہیں لگایا جاسکتا،لیکن اہم مسئلہ یہ ہے کہ اس طرح کے مقامات اور جگہوں پر کھانا پینا بہت مہنگا ہوتا ہے۔جس میں اسراف اور فضول خرچی کی صورت واضح ہے۔

یہاں کے کھانے یقیناً ذائقے دار چٹ پٹے اور خوش وضع ہوتے ہیں۔لیکن ان میں مرچ مسالے بہت ہوتے ہیں اور یہ چیزیں صحت کے لئے بہت نقصان دہ ہوتی ہیں۔باسی کھانے اور ان کے بچے ہوئے مسالے دوسرے دن کے کھانے میں شامل کر لئے جاتے ہیں جس سے صحت کو نقصان ہوتا ہے۔عام طور پر ایسے کھانوں سے سستی،کاہلی،نیند نہ آنے کی شکایت،ذہنی عدم سکون،عدم یکسوئی اور دیگر کئی طرح کے امراض جنم لیتے ہیں۔اس طرح کے ہوٹلوں اور ڈھابوں میں ظاہری صفائی ستھرائی کا تو خیال کافی رکھا جاتا ہے اور وہ نظر بھی آتا ہے لیکن باطنی صفائی اور طہارت کے اہتمام کی کسے خبر ہے۔نظافت کے ساتھ طہارت کا خیال ولحاظ رکھتے ہوئے جو کھانا بنایا جائے گا اس کے اثرات الگ ہوتے ہیں۔

ایک زمانہ تھا جب مسلم گھرانوں میں مستورات کھانا بنانے کا عمل بغیر وضو کے انجام نہیں دیتی تھیں۔طہارت و نظافت کے ساتھ ذکر واذکار کا بھی خاص طور پر اہتمام ہوتا تھا۔اس سے گھر کے ماحول میں ایک عجیب نورانیت اور بچوں میں صالحیت کا رنگ نظر آتا تھا۔بہت سارے نوجوان لمبا سفر کر کے صرف کھانے کے لئے دور دراز ہوٹلوں کا رخ کرتے ہیں اور وہاں چند گھنٹوں میں ہزاروں روپے اڑا دیتے ہیں۔ہوٹلوں اور ڈھابوں پر کھانے کی لت جب ایک دفعہ لگ جاتی ہے تو وہ شراب کے نشہ کی طرح نہ چھوٹنے والی عادت بن جاتی ہے۔وہاں جائے بغیر بے چینی بڑھنے لگتی ہے۔پیسہ نہیں ہے یا بجٹ اجازت نہیں دیتا تو قرض لے کر یہ شوق پورا کرتے ہیں۔یہ ایسی مضر عادت ہے کہ اس سے گھروں کا بجٹ تو متاثر ہوتا ہی ہے بعض دفعہ بچوں کی تعلیم پر بھی برے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔آپ کو ایسے نوجوان بھی نظر آجائیں گے،جو گھر کے زیوارت بیچ کر پارٹیاں کرتے ہیں اور دوستوں کے ساتھ تفریح میں دھڑلے سے یہ دولت ضائع کرتے ہیں۔

ہوٹل اور ڈھابہ کلچر کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ گھروں میں خواتین میں کھانا بنانے کا رجحان کم ہو رہا ہے،وہ اب کھانا بنانے سے کتراتی ہیں جب کہ پہلے کے مقابلے میں عورتوں کے لئے اب کھانا بنانے کی سہولیات زیادہ ہیں۔ان کے لئے ان کے کچن میں کافی آسانیاں فراہم کر دی گئی ہیں۔جن کا پہلے تصور بھی نہیں تھا۔مہمان کے آنے پر یا گھر کے لوگوں کے لئے گھر میں کھانا بنانے کے بجائے،باہر سے کھانا منگانے یا ہوٹل پر کھانا کھانے کو ترجیح دی جاتی ہے۔اس سے عمدہ پکوان اور لذیذ کھانے بنانے کا فن جو کسی زمانے میں اچھے گھروں کی علامت سمجھا جاتا تھا،بہت متاثر ہو رہا ہے،آج ہمارے گھروں کی نوجوان لڑکیاں اس میدان میں بہت پیچھے ہوتی نظر آرہی ہیں۔کھانا بنانے

اور پکوان تیار کرنے کے فن سے عدم واقفیت کی بنا پر کبھی سسرال میں کئی طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

سال میں دو چار دفعہ یا کسی خاص موقعہ پر ہوٹل میں کبھی کبھار کھانا کھالیا جائے تو اس سے فرق نہیں پڑتا اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں، لیکن اگر اس کی لت پڑ جائے کہ نہ جانے سے بے چینی بڑھ جاتی ہو، تو اس سے پھر، بہت سے معاشی، معاشرتی، عائلی اور نفسیاتی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

شادی سے پہلے جو جوان بچیاں ہوٹلوں پر کھانے کی عادی ہوتی ہیں وہ شادی کے بعد بھی اسی عادت کی شکار رہتی ہیں۔ وہ اپنے شوہروں سے باہر کے کھانوں کی ضد کرتی ہیں اور اس کے لئے بعض مرتبہ دباؤ بھی ڈالتی ہیں۔ اور ان کو نہیں لے جایا جاتا تو وہ دوسروں کے ساتھ بھی چلی جاتی ہیں۔ ایسی رپوٹیں مصدقہ ذرائع سے مشہور ہیں۔ یہ ہوٹلوں کی لت کئی لڑکیوں کو اغیار کے ساتھ جانے پر بھی مجبور کر دیتی ہے۔

آج بہت سے ہوٹلوں میں مسلم لڑکیوں کے ایسے حالات بھی نظر آجاتے ہیں کہ سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ پتہ پانی پانی ہوجاتا ہے۔ اکثر ریستوران میں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو آپ قابل اعتراض حالت میں دیکھ سکتے ہیں۔ ان میں کئی نقاب پوش خواتین بھی شرم وحیا اور غیرت کی دھجیاں اڑاتی نظر آجائیں گی۔

قوم میں اس تعلق سے بھی بہت شعور بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ اس کے سنگین نتائج آنے شروع ہو چکے ہیں۔ کیا ہمیں خدا کا یہ فرمان یاد نہیں ہے، جو سورہ تحریم میں پہلے ہی رکوع میں ہے۔

اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ خدا کا یہ فرمان ہمیشہ پیش نظر رہنا ضروری ہے۔

قضیہ فلسطین

مولانا عبدالرزاق قاسمی امام وخطیب مسجد ابوذر میسور

فلسطین جغرافیہ کے اعتبار سے عرب کے قلب میں واقع ہے دینی سیاسی اور تاریخی حیثیت سے نہایت ہی اہمیت رکھتا ہے کئی آسمانی مذہبوں کا گہوارہ اور تہذیبوں کا سرچشمہ ہے ۲۵۰۰ سال"ق م" سے ۱۰۰۰"ق م" تک کنعانیوں کے زیر حکومت ہونے کی وجہ سے اسے ارض کنعان بھی کہا جاتا ہے اسے ارض الانبیاء کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے بڑے بڑے پیغمبروں کی جائے پیدائش اور سکونت ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے ہجرت کرنے کے بعد فلسطین ہی کے ایک شہر نابلس میں پناہ لی تھی جہاں پہلے حضرت اسماعیلؑ اور کچھ سالوں بعد حضرت اسحاقؑ کی پیدائش ہوئی تھی۔

فلسطین ہی کی ایک بستی یروشلم کو حضرت عیسی کا مولد ہونے کا شرف حاصل ہے ,اور حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کا دارالخلافہ ہونے کا فخر بھی فلسطین ہی کے حصے میں آتا ہے،حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ نے اسی سرزمین پر جام شہادت نوش کی تھی نیز یہ سرزمین کئی جلیل القدر انبیاء، اولیا اور صحابہ کا مدفن ہے۔اپریل ۶۳۷ سے یہاں اسلام کا پرچم لہرانے لگا،تمام مذہبی طبقوں کو اپنی عبادات اور رسوم ورواج پر عمل کی پوری آزادی تھی،عبادت خانوں،خانقاہوں اور قربان گاہوں کو مکمل تحفظ حاصل تھا،ہر سو امن کے پرندے چہچہا رہے تھے،کھیت کھلیانوں میں ہریالی اور لوگوں میں خوش حالی دونوں عروج پر تھیں،سال بیت تے گئے،بیت المقدس علم وادب کا گہوارہ بن گیا،اساطینِ علم یہاں کی راہ لینے لگے اور طالبانِ علوم کا ہجوم اڈنے لگا،دیکھتے ہی دیکھتے فلسطین تہذیب وتمدن کا مرکز بن گیا۔سال ۹۸۶ میں پوپ سلویسٹر کے دورۂ بیت المقدس کے بعد فتنوں اور طغیانیوں کے تاریک بادل منڈلانے لگے،صلیبیوں کے بار بار حملے ہونے لگے،راہب پیٹر وی ہرمٹ کے جوشیلے اور بھڑکیلے،ولولہ انگیز تقریروں نے یورپی عوام میں جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام کیا،تمام یورپ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک صلیب کی گونج سنائی دینے لگی،سال ۱۰۹۹ جولائی کی کسی تاریخ میں صلیبی فوج بیت المقدس پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہے،خون خوار درندوں نے معصوم شہریوں،طلبہ وعلما سمیت بے شمار افراد کو موت گھاٹ اتار دیا،چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیواروں پر اچھال کر مارا گیا،ایسا قتل عام ہوا کہ مسجدِ عمرؓ کے پاس سے گزرتی ہوی

صلیبی فوج کے گھوڑے مظلوم مسلمانوں کے خون سے گھٹنوں تک رنگین ہوگ،اب خوشی ومسرت کے وہ دن نہیں رہے،ظلم وستم کی ایک نئ داستان رقم ہونے لگی،اور لوگوں کو گذرے دنوں کی یاد ستانے لگی،امن کے خوش نوا بلبل پرواز کر گئے،اداسیوں کے خوف ناک چمگادڑوں نے مسجدِ اقصی اور اس کے اطراف میں ڈیرے ڈالے

غیر منقوط منظوم سیرت النبی داعئ اسلام کے خالق

مسعود حساس کویت

قبلہ مولانا صادق علی بستوی قاسمی دیگر بیشتر فارغین کی طرح فارغ العقل بالکل نہیں تھے بلکہ انہوں نے بزرگان کی چھتر چھایا میں اجتہاد کو جاری وساری رکھا اور اہل جبہ ودستار کی جانب سے معین کردہ خودساختہ حصار کوسرے سے تسلیم ہی نہیں کیا جوانکے ذہن کے زندہ ہونے کی دلیل تھی انکی صلاحیت واقعی ایسی باکمال تھی کہ اردوادب وزبان کے ساتھ لشکری تہذیب ان پہ نازاں ہے دنیا جانتی ہے کہ اردو زبان کی غیر منقوط منظوم نامی داعئ اسلام کتاب آنحضرت کے رشحات قلم کا ہی نتیجہ ھے یہاں یہ جان لینا انتہائی دلچسپ ہوگا کہ ابوالفیض فیضی نے غیر منقوط تفسیر لکھ کے صلاحیت کا لوہا منوایا تو پاکستان کے ایک مقتدر عالم دین ولی رازی نے ’’ھادئ عالم‘‘ غیر منقوط لکھ کے سیرت پہ بے بدل کام کیا۔

تیسرا غیر منقوط کلام مولانا صادق صاحب کا ھے جوانہوں نے انتہائی محنت ومشقت کے بعد پایۂ انجام تک پہونچایا ۱۹۹۸ کی بات ھے کہ مولانا موصوف مرکزی جمیعت علماء ھند یعنی مولانا فضیل قاسمی کے یہاں ٹھہرے تھے اتفاقاً دیٔ سے گاؤں کیلیے میں نے بھی رخت سفر باندھا مجھے جمیعت میں ایک دن رک کے گاؤں کی ٹرین پکڑنی تھیی ایک دن میرے لیے بیش قیمتی اس معنی کر ہوا کہ مولانا صادق قاسمی سے پہلی بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا سونے سے قبل میں ان کے پاؤں دباتا جارہا تھا اور دارالعلوم دیوبند کے احاطے میں انکے نام سے مشہورترین واقعات کے انتساب کی تصدیق بھی کرواتا جارہا تھا میرا پہلا سوال تھا حضرت وہاں مشہور ہے کہ آپ جناتوں کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے تھے حتی کہ ان کے بچوں کے ساتھ کھیلا بھی کرتے تھے جومختلف جانوروں کی شکل میں ظاہر ہوا کرتے تھے مولانا نے جواب دیا ایسا کچھ نہیں بلکہ عموماً میں نودرہ میں پڑھتا رہتا اور وہیں سوبھی جاتا تھا نتیجے میں مجھے جوسیٹ ملی تھی اس پر بھی کسی کا قبضہ ہوگیا توسردی گزرنے کے بعد اپنے لحاف کو میں نے باندھ کے مولسری کے درخت کی ایک غلیل نما شاخ پہ اٹکا دیا اور اگلے موسم سرما میں جب اسے کھولا تو ایک عدد سانپ مرکھپ کے خشک ہوا پڑا تھا میرا دوسرا اوراہم ترین سوال یہ تھا۔

مولانا سنا ھے آپ نے امامِ فلسفہ ملّا بہاری کے سامنے سات خدا ثابت کردیا تھا انہوں نے کہا اس واقعے کی فقط اتنی سی سچائی ہے کہ علامہ دورانِ درس اللہ کی طاقت کو لامحدود بتاتے ہوئے دلیل دے رہے تھے کہ ،جس طرح ایک مرکز سے نکلنے والی دو متوازی لکیریں کبھی بھی ایک دوسرے سے مل نہیں سکتیں اور لاالی النہایہ ہونگی ،میں نے ان کی بات کاٹی اور کہا کہ حضرت یہ متوازی لکیر ہی کیوں اگر یہ متضاد سمت میں بھی سفر کریں تب بھی باھم نہیں مل سکتیں۔

بس اتنے واقعے کولوگوں نے سات خدا کے اثبات تک پہونچا دیا انکے جوابات سے مجھے تشفی بھی ہوئی اور برسوں کی دماغی ہلچل کوسکون بھی ملا اسی دوران بات داعئ اسلام کی آگئی تو میں نے استفسار کیا حضرت آپکو غیر منقوط اشعار کی تخلیق میں یقیناً دشواری پیش آئی ہوگی آنجناب نے فرمایا پہلی بار نماز عشاء سے لیکے فجر تک میں تگ ودو کرتا رہ گیا مگر ایک مصرع تک نہ ہوا مگر میں نے ہار نہ مانی اور دوسری شب بھی اسی کام پہ لگ گیا اور اللہ کا

شکر کہ فجر سے ذرا قبل تک ایک مصرع ہو گیا اور فجر کی اذان تک کم وبیش دو یا ڈھائی شعر کہہ چکا تھا اس رات کے بعد اللہ نے مجھ پہ علم کے خزانے کھول دیے اور عام شعر کی تخلیق میں جوانرجی درکار ہوتی تھی اسی مقدار کے صرف سے غیر منقوط کتاب اپنی تکمیل کو پہونچی مولانا صادق صاحب سے وہ پہلی ملاقات محبتوں کا ابتدائیہ ثابت ہوئی اسلیے جب جب بھی میں دبئ یا کویت سے گاؤں جاتا تو انکے یہاں بچوں کو لیکے ضرور جاتا تھا

مولانا گو کہ دس بائی دس کے دفتر سے سارا تحریری کام انجام دیتے تھے مگر پہونچ آسمان صحافت وخطابت سے ہٹ کے سیاست میں بھی بہت آگے درجے کی رکھتے تھے روزانہ دو چار لوگ اپنے ریلوے ٹکٹ کے کنفرمیشن کیلیے ضرور آتے اور مولانا اپنے رسوخ سے اسے کنفرم کروا دیتے علاقے کے تمام نیتا پارٹیوں کے ایم ایل اے اور ایم پی کے ٹکٹ کے حصول کیلیے مولانا کے در پہ شفارش کرواتے نظر آتے قوم کی خیر خواہی کا جزبہ اتنا توانا تھا کہ متعدد بیواؤں اور یتیموں کا مستقل خرچ بھجواتے اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوتی جلسے جلوس میں شرکت ضرور کرتے تاہم تقریر سے دور ہی رہتے کمال یہ تھا کہ علماء کرام پہ بھی نقد وجرح فرماتے ایک بار مولانا حفظ الرحمن میرٹھی کی تقریر کے بعد انہیں صلاح دی کہ ان موضوع احادیث سے ہزار گنا بہتر ہے کہ احادیث صحیحہ کو بطور استدلال پیش کریں

دہلی، دیوبند، باندہ، لکھنؤ کے بزرگان کا جب بھی سفر اس جانب سے ہوتا تو وہ مولانا قاسمی کے یہاں ضرور تشریف لاتے قاری صدیق صاحب کی وفات پہ نقوش حیات باندوی نمبر نکالا گیا جسمیں بہتیرے مضامین تھے مگر علماء کرام نے جس مضمون کو آنکھوں کا تارا بنایا وہ صادق قاسمی کا مضمون تھا وہ بھی اسلیے کہ انجناب کا مضمون فقط قاسمی وباندوی کی متعدد ملاقات کا خلاصہ تھا سادگی طبیعت میں ایسی رچی بسی تھی کہ خود کو مولانا کہلوانا بھی کم کم پسند کرتے تھے بلکہ اپنے تعارف میں صادق علی ہی کہا کرتے اور اگر کوئی تعارف میں ضخیم القابات کا استعمال کرتا تو بہت تحسین آمیز رویہ نہ اپناتے قلندر صفت مولانا۔ جرآت مند صحافی۔ اور دیانتدار مضمون نگار کے ساتھ ساتھ عقیدتوں کے آخری پائیدان پہ سرفراز سیرت نگار آج ہم میں نہ رہا

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

سیرت مصطفی: درس ہے رہبری کے لئے

ڈاکٹر محمد حاذق ندوی میسور ڈائرکٹر دارالامور ٹیپو سلطان ریسرچ سنٹر

دانائے سبل، فخر الرسل، دعائے خلیل، نوید مسیحا، رسول رحمت، سیدالاولین والآخرین سیدنا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، آپ کی سیرت وسنت اسلام کا دائمی معجزہ، اللہ تعالی کی حکمت بالغہ اور قرآن کریم کی عملی تفسیر وتوضیح ہے۔ قرآن اگر متن ہے تو سیرت اس کی تشریح۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا تھا کہ "کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ (مسند احمد)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث، سنت اور سیرت کو قرآن کریم کے بعد اسلامی قانون کا دوسرا اہم ترین ماخذ تسلیم کیا گیا ہے۔ حدیث وسنت کا یہ مقام آغاز اسلام سے صدیوں تک امت مسلمہ میں تسلیم شدہ اور غیر متنازعہ رہا لیکن جب عالم اسلام میں یورپ نے "مقدس جنگ" کے نام سے صلیبی جنگیں لڑیں، جن کا سلسلہ دو صدیوں سے زیادہ (۱۰۹۹ تا ۱۲۴۸ء) جاری رہا۔

اس دوران بے مثال سامان جنگ اور لاتعداد لشکر کے باوجود مسلم اقوام میں کبھی تذبذب، اضطراب اور جذبہ شکستگی کا احساس تک نہ پیدا ہوا؛ بلکہ ہر میدان میں ثبات قدمی کا ثبوت پیش کیا، جس کی وجہ سے اسلامی قوت ان علاقوں میں ناقابل تسخیر سمجھی جانے لگی، نتیجہ یہ ہوا کہ میدان کارزار میں دو بدو لڑنے کی ہمت صلیبی طاقتوں کی ٹوٹ گئی۔ اس کے بعد یورپ نے جنگ کا رخ قلم کے میدان کی طرف پھیر دیا اور تہذیب وثقافت اور اسلامی اقدار کا مطالعہ شروع کیا گیا اور "قلم کے میدان" کی جنگ کا آغاز ہوا، جس کا سب سے اہم مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے دین ومذہب پر اقدامی حملہ کیا جائے تاکہ جو لوگ اسلام کو اپنے گلے سے لگا چکے ہیں کم از کم وہ تشکیک کے شکار ہو جائیں۔ اسی فکر سے استشراق "مشرقی علوم کے مطالعہ کا شعبہ" قائم ہوا۔ اس شعبہ کے تحت کئی امور انجام دیئے گئے لیکن پچھلی صدیوں کے دوران چند غیر مسلم مستشرقین اور ان کے پیروکاروں نے سب سے زیادہ کوشش کی کہ حدیث کی حجیت اور اس کی استنادی حیثیت کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کیے جائیں تاکہ عام مسلمان جو براہ راست مصادر سے استفادہ نہیں کر سکتے وہ شک میں مبتلا ہو جائیں۔

ان کوششوں میں اہل یورپ کی ایک بڑی کوشش یہ رہی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی جو کہ دین کا ایک بنیادی حصہ ہے، اس کے بغیر صحیح اسلام کا تصور محال ہے؛ اس کی مثالیت کو ابتدائی دور کی ضروریات، تہذیب تک محدود کر دیا جائے، حیات طیبہ کے شخصی معاملات میں بے جا منطقی تاویلات کر کے انہیں مشکوک یا مخصوص بنا دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ یوروپی نظام تعلیم سے تربیت یافتہ ایک بڑا طبقہ سیرت وسنت، آداب واخلاق نبی سے بے اعتنائی برتنے لگا ہے۔ جس کا راست اثر نسل جدید پر پڑ رہا ہے، بقول اساتذہ:

"مستحب" اعمال یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اور پسندیدہ طریقوں کو چھوڑتے رہنے کا اثر مسنون اعمال پر پڑتا ہے، اور جب سنتیں مسلسل چھوٹنے لگیں تو فرائض وواجبات خطرے میں آجاتے ہیں اور ان کا خطرے میں پڑ جانا دین وایمان کا خطرے میں پڑنا ہے۔ آج کی نئی نسل میں ایمان خطرے میں پڑ چکا ہے جس کے اسباب واضح ہیں۔ مشنری نظام تعلیم نے امت مسلمہ کو آہستہ آہستہ سیرت وسنت رسول سے اس

طرح دور کیا کہ آہستہ آہستہ نسل نو کا ایمان خطرے میں پڑ چکا ہے، بقول علامہ اقبال: ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ۔ ہندوستانی معاشرہ میں دبی کچلی قوموں نے اپنے اپنے مقتدا (پیشوا) طے کر لئے اور ان کے اصولوں کو اپنی بقا کی ضمانت قرار دے کر اپنے بڑوں کی زندگی کے اصولوں پر کاربند ہو گئے بند ہو گئے۔

چنانچہ بسا اوقات حقیر کی سی تعداد کے باوجود وہ حکومتوں پر اثر انداز ہو جاتے ہیں۔ لیکن امت مسلمہ جو اس ملک میں دوسری اکثریت ہونے کے باوجود اپنے وجود کے لئے لڑ رہی ہے، اور کیوں حیران و پریشان نہ ہو کہ: پیڑ سے جو پتہ ٹوٹے ہے آوارہ کہلائے ہے۔ وہی قوم باقی رہتی ہے جو اپنی تہذیب اور اپنی اصل پر قائم رہتی ہے۔ امت مسلمہ کی تہذیب اور اس کی اصل صرف اور صرف دین و شریعت سے ہے اور شریعت کا جامع و مکمل نمونہ ذات نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ہمارے لئے درس رہبر یو انَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيم (سورہ قلم ۴)

اور بیشک آپ اخلاق حسنہ کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی گواہی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دیتے ہوئے آیت نمبر: ۸ تا ۱۲ میں آپ سے ارشاد فرمایا کہ آپ اپنے فرائض منصبی میں ڈھیلے نہ پڑیں اور اُس کا کہنا نہ مانیں جو:

تکذیب کرنے والا ہو۔

بہت قسم کھانے والا ہو

بے وقعت ہو، طعنہ دینے والا ہو

چغلیاں لگاتا پھرتا ہو

نیک کام سے روکنے والا ہو

حد اعتدال سے گزرنے والا ہو

گناہوں کا کرنے والا ہو

سخت مزاج ہو

اپنے کو دوسرے خاندان سے منسوب کرنے والا ہو۔

(مستفاد از بیان القرآن)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ مجھے تو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ میں اخلاق کریمانہ کی تکمیل کروں۔ آیئے! ہم اور آپ قرآن کے ذکر کردہ ناپسندیدہ کردار و سیئات سے اپنے آپ کو بچائیں اور ایسے مزاج کے افراد سے بچیں، اور خود کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کریمانہ اخلاق کا عادی بنائیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کو اپنانے کے بعد ہمارے لیے بھی اخلاقیات کی بلند اور دشوار گزار گھائی پر چڑھنا آسان ہو جائے گا۔

فرض نمازوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات

(احادیث نبوی کی روشنی میں)

ڈاکٹر نعیمہ بانو: ایم ایس، ایس نگر میسور

دعاء کیا ہے؟ دنیا میں انسان کا وجود سب سے محتاج وجود ہے، وہ اپنی ہر ضرورت کی تکمیل کے لئے اس قادر مطلق کا محتاج ہے جس کے ایک اشارہ پر کائنات متحرک رہتی ہے؛ جس کے حکم سے مہر و ماہ ان لوگوں کے لئے اپنی آنکھوں کو جلاتا اور پاؤں کو تھکاتا ہے جس سے اس کا کوئی نفع ونقصان متعلق نہیں، یہ ذات خالق کائنات کی ہے، جس کے خزانہ قدرت میں ہر چیز اتھاہ اور بے پناہ ہے، پس محتاج مطلق کا قادر مطلق کے سامنے ہاتھ پھیلانا ''دعا'' ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **ليس شئ اكرم على الله من الدعاء** (ترمذی: باب ماجاء من الدعاء) اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ چیز دعاء ہے۔

اس کی شان کریمی یہ ہے کہ دست سوال کو خالی واپس کرتے ہوئے حیا کرتا ہے (ترمذی: حدیث نمبر ۳۵۵٦)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ جب فرض نمازوں کا سلام پھیرتے تو ان نمازوں میں جن کے بعد سنن ونوافل پڑھی جاتی ہیں مثلاً ظہر ومغرب اور عشاء کے بعد صرف اس قدر بیٹھتے تھے جتنی دیر میں **اللهم انت السلام و منك السلام تباركت يا ذا الجلال و الاكرام**

(مشكوة: عن عائشة، باب الذكر بعد الصلاة: حديث نمبر: ٩٦٠)

(اے اللہ! تو ہر عیب ونقص سے سالم ومحفوظ ہے، اور تیرے ہی ذریعہ ہر قسم کے شرور وفتن سے سلامتی وحفاظت حاصل ہوتی ہے، اے عزت و اکرام والے تیری ذات بڑی بابرکت ہے) پڑھا جا سکے اس سے زیادہ وقفہ نہیں کیا کرتے تھے لیکن جن فرائض کے بعد سنن ونوافل نہیں ہیں مثلاً فجر وعصر، تو ان نمازوں کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیر تک دعاؤں میں مشغول رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہے: **كان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اذا انصرف من صلوته استغفر ثلثا**

(مشكوة: حديث نمبر: ٩٦١)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازوں سے فارغ ہو کر تین مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے۔ اور کبھی **لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير**... اور **اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد** پڑھا کرتے تھے

(مشكوة عن المغيرة، حديث نمبر ٩٦٢)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی شخص فرض نمازوں کے بعد ۳۳/ ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور ۳٤ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرے تو وہ کبھی نقصان اور گھاٹے میں نہیں رہے گا، نیز اگر ۱۰۰ کی تعداد مکمل کرنے کے لئے ایک مرتبہ **لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل شئ قدير** پڑھ لے تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اگر چہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

(مشكوة المصابيح: عن ابي هريره، حديث نمبر ٩٦٧)

بعض اوقات وہ ہیں جن میں رحمت الٰہی بندہ پر سایہ فگن ہوتی ہے اور اللہ تعالی خصوصی طور پر بندہ کی طرف متوجہ

ہوتے ہے، ان اوقات میں دعاؤں کا خاص اہتمام کرنا چاہئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا ای الدعاء اسمع ؟ کس وقت کی دعاء سب سے زیادہ مقبول ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جوف اللیل الآخر، ودبر الصلوا ات المکتوبات

(مشکوۃ: عن ابي امامة، حديث نمبر ۸۹۶)

رات کے آخری پہر اور فرض نمازوں کے بعد۔ نماز فجر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر ذکر واذکار میں مشغول رہنے کی تعلیم دی، ارشاد فرمایا: من صلى الفجر في جماعة، ثم قعد يذكر الله، حتى تطلع الشمس، ثم صلى ركعتين، كانت له كاجر حجة وعمرة

(مشكوة المصابيح عن أنس، حديث نمبر ۹۷۱)

جو شخص نماز فجر جماعت کے ساتھ ادا کرے پھر ذکر واذکار میں مشغول رہے یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو جائے تو دو رکعت نفل پڑھ لے تو اسے اس قدر اجر وثواب ملے گا جتنا حج وعمرہ کی ادائیگی پر ملا کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرائض کی ادائیگی کے بعد آیت الکرسی کے پڑھنے کی بھی ترغیب دی چنانچہ حضرت علی فرماتے ہیں کہمیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس منبر کی لکڑی پر یہ کہتے ہوئے سنا "من قرأية الكرسي في دبر كل صلوة لم يمنعه من دخول الجنة الا الموت" کہ جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھ لے گا اسے سوائے موت کے کوئی چیز جنت میں داخل ہونے سے نہ روک سکے گی۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ومن قرأها حين ياخذ مضجعه امنه الله على، داره و دار جاره واهل دويرات حوله (مشکوۃ: عن علی حدیث نمبر ۹۷۴)۔ ج

وشخص رات کو اپنے بستر پر لیٹتے وقت اس آیت کو پڑھ لے گا تو اللہ تعالی نہ صرف اس کے اہل خانہ کو آفات سے محفوظ و مامون رکھیں گے بلکہ اس کے پڑوس کے گھر والوں اور اس کے اطراف کے دیگر اہل خانہ کو بھی شرور وفتن سے حفاظت فرمائیں گے، لہذا اذکار ماثورہ کا اہتمام اور اللہ تعالی سے بکثرت دعاء کرنی چاہئے کہ وہی ہر سائل کے سوال کا جواب دینے والا اور ہر حاجتمند کی حاجت روائی کرنے والا ہے۔

تاریخ فلسطین ومسجد اقصی

حافظ محمد مطہر بن حافظ سمیر احمد (Student of SJCE College Mysore)

بسم اللہ الرحمن الرحیم آپ لوگ اولا یہ جان لیں کے مسجد اقصی کیا ہے؟ مسجد اقصی 135 ایکڑ پر مشتمل اس احاطے کا نام ہے جس میں کئی مسجدیں اور مبارک مقامات موجود ہیں۔

(1) مسجد اقصی۔ (2) قبۃ الصخرۃ (Dome of the rock)

(3) مسجد قبلی (4) مسجد مروانی (Underground Vaulted prayer hall)

(5) مسجد براق (6) دیوار گریہ۔ (Western wall)

اسلام میں اس کا مقام:

-سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا-اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ

ترجمہ: پاکی ہے اسے جو راتوں رات اپنے بندے کو لے گیا مسجدِ حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصا (بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے۔

مفتی شفیع صاحبؒ آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: آیت میں بارکنا حولہ میں حولہ سے مراد پوری زمین شام ہے ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش سے دریائے فرات تک ایک مبارک زمین بنائی ہے اور اسمیں سے فلسطین کی زمین کو تقدس خاص عطا فرمایا ہے (روح المعانی)۔

اس کی برکات دینی بھی ہیں اور دنیاوی بھی۔ دینی برکات تو یہ ہیں کہ وہ تمام انبیاء سابقین کا قبلہ اور تمام انبیاء کا مسکن ومدفن ہے اور دنیوی برکات اسکی زمین کا سرسبز ہوتا اور ہمیں عمدہ چشمیں نہریں باغات وغیرہ کا ہونا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ اسے ملک شام تو تمام شہروں میں سے میرا منتخب خطہ ہے اور میں تیری طرف اپنے منتخب بندوں کو پہنچاؤں گا۔ (قرطبی)۔ اور مسند احمد میں حدیث ہے کہ دجال ساری زمین میں پھریگا مگر چار مسجدوں تک اس کی رسائی نہ ہوگی 1۔ مسجد حرام۔ 2۔ مسجد نبوی۔ 3۔ مسجد اقصی۔ 4۔ مسجد طور۔ (معارف القرآن ج5 ص443)

یہود کی مختصر تاریخ:

اس وقت فلسطین پر قابض اسرائیل یہ کونسی قوم ہے؟ یہ دراصل حضرت اسحاقؑ کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام جن کا دوسرا نام اسرائیل ہے انکی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے بنی اسرائیل میں بھی یہودی ایک خاص مذہبی فکر رکھنے والوں کو کہا جاتا ہے جن کا ماننا یہ ہے کہ وہ اللہ کے خاص

لوگ ہیں وہ جہنم میں جلائے نہیں جائینگے اور انکے علاوہ دنیا کی ساری انسانیت غلامی کے لئے پیدا کی گئی ہے صرف وہی حکومت کا، پیشوائی کا، اور دوسری چیزوں کا حق رکھتے ہیں۔

خانہ کعبہ کے 40 سال بعد اسکی یعنی مسجد اقصی کی بنیاد رکھی گئی ہزار قبل مسیح مطابق BC 1000 یہ حضرت داؤدؑ کا دار السلطنت تھا یعنی (Kingdom) تھا۔ آج سے تقریباً 4000 سال پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دور آتا ہے حضرت موسیٰؑ ان میں نبی بنا کر بھیجے گئے اللہ کا ان پر بڑا فضل تھا بڑا کرم تھا پھر اللہ نے انکو آل فرعون سے نجات دلائی انکے ظلم سے بچایا اللہ نے حضرت موسی کے ہاتھوں سمندر کے دو حصے کرائے اور انکو اس میں سے پار فرمایا، اللہ نے ان پر اپنا خصوصی کرم فرمایا آسمان سے من وسلوی اتارا (جنت سے دسترخوان اتارا) کوئی وقت ایسا نہیں تھا اللہ نے ان میں کوئی نبی مبعوث نہ فرمایا ہو حضرت موسیٰؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک تقریباً 1400 سال کا فاصلہ ہے اسکے درمیان کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ جس میں کوئی نبی موجود نہ ہو پھر حضرت داؤدؑ کا دور آیا جو کہ ایک نبی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بادشاہ بھی تھے جن کو اللہ نے کئی معجزے دئے تھے جیسا کہ ان کے ہاتھ میں لوہا پگھل جاتا تھا اور ان پر آسمانی کتاب یعنی زبور نازل فرمائی اور اللہ نے انھیں ایسی آواز کا مالک بنایا تھا کہ جب بھی وہ زبور کی تلاوت فرماتے تو پرندے اور درخت و پہاڑ انکی آواز سن کر گونج اٹھتے۔ پھر انھوں نے ایک معبد یعنی عبادت گاہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا جو کہ حضرت سلیمانؑ جو حضرت داؤد کے بیٹے ہیں انکے زمانے میں مکمل ہوا جس کو ہیکل سلیمان (Temple of solomon) کہتے ہیں یہ معبد جو کہ حضرت سلیمان کے دور میں مکمل ہوا تو اسکو انہیں کا نام دے دیا گیا یہ بھی ایک نبی تھے جن کا قرآن میں ذکر آتا ہے اور اللہ نے انہیں بھی کئی معجزات سے نوازا تھا جیسا کہ یہ پرندوں کی بولی سمجھتے تھے اور ہوا اور جنات پر انکا کنٹرول تھا۔ پھر چھٹی صدی قبل مسیح میں بخت نصر نے جو کہ بابلونیا کا بادشاہ تھا اس نے اپنی فوج کے ساتھ ہیکل سلیمانی گرا دیا تب پہلی مرتبہ انکا ہیکل تباہ ہوا (586Bc) میں اور پھر اسکو (Rebuilt) کرایا (Cyrus) نامی بادشاہ نے جو کہ (Persian Empire) کا بادشاہ تھا پھر دوسری مرتبہ (Titus) نامی بادشاہ نے جو کہ (Roman Empire) کا بادشاہ تھا اس نے اسکو گرایا اور ایک دن میں 1,33,000 یہودی اس نے قتل کئے اسکی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اسکے خلاف بغاوت کی تھی۔

ہیکل سلیمانی:

وہ جگہ تھی جہاں یہودی عبادت کرتے تھے جس میں تابوت سکینہ موجود تھا جس میں کئی انبیاء کے تبرکات تھے جیسا کہ حضرت موسیٰ کا عصا حضرت ہارون کا کرتہ توریت کا اصل نسخہ اور من وسلوی کے برتن، وغیرہ یہ وہ تابوت تھا جس کو یہودی اپنی عبادت گاہ میں رکھ کر اسکے سامنے دعاء مانگتے تو انکی دعاء قبول ہو جاتی تھی۔ اور جو انکا ہیکل تب گرا تھا جو کہ اب تک گرا پڑا ہے۔ پھر ایک دور ایسا آیا کہ ان میں حضرت مسیحؑ مبعوث کئے گئے حضرت مسیحؑ کی بعثت پر تو انکی شرارت کی انتہاء یہ ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو رسول بنا کر بھیجا حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان رسول کوئی نہیں ہے سب نبی ہیں اور حضرت مسیحؑ کو اللہ نے اپنی روح قرار دیا (روح منہ) اور عظیم ترین معجزات سے نوازا۔ انہوں نے کیا کہا یہ ولد الزنا ہے حرام زادہ ہے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد اور کہا یہ جادوگر ہے یہ مرتد ہے یہ واجب القتل ہے۔ ایک ربی تھا بہت بڑا اسکی عدالت نے

فیصلا کیا کہ "مسیحؑ" کوسولی چڑھادی جائے یہ دوسری بات ہے کہ اللہ نے حضرت مسیحؑ" کو آسمان پر اٹھالیا انکی جگہ وہ شخص سولی چڑھا جس نے غداری کر کے گرفتار کرایا تھا حضرت مسیحؑ کو جسکا نام (Judas Iscariot) تھا اسکی شکل اللہ نے بدل دی حضرت مسیح کی سی اور حضرت مسیحؑ کو فرشتے زندہ آسمان پر لئے گئے اس دن سے اس قوم کو (مغضوب علیھم) قرار دے دیا گیا۔

اصل میں ہونا یہ چاہئے تھا کہ رسول کی جان کے در پے جب کوئی امت ہوجاتی تھی تو اللہ کا قاعدہ یہ تھا کہ اس امت کو تباہ و برباد کر دیا جائے حضرت نوحؑ کی قوم کو تباہ کیا، حضرت ہودؑ کی نگاہوں کے سامنے قوم عاد برباد ہوئی، حضرت صالحؑ کے نگاہوں کے سامنے انکی قوم برباد ہوئی یہ اللہ کا قاعدہ رہا ہے۔ یہاں تک کہ خود آل فرعون جہاں حضرت موسیٰؑ کو بھیجا گیا سب ہلاک کر دئے گئے تو اس اعتبار سے وہ مستحق تو ہو چکے تھے کہ انہیں ہلاک کر دیا جائے اب اللہ کی کوئی خصوصی مشیّت ہے اس میں کیا حکمت ہے وہ اللہ بہتر جانتا ہے۔

اب اللہ نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت مسیحؑ کو تو اٹھالیا اوپر زندہ اور انکی رسی ابھی مزید دراز کر دی کہ انکو ابھی مہلت دے دی کہ آخری استحصال جسکو عذاب اکبر کہتا ہے قرآن (وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ) یہ عذاب اکبر ان پر نہیں آیا حالانکہ وہ مستحق ہو گئے تھے اسی وقت، اسکو یوں سمجھیں، کہ کسی شخص کو پھانسی کی سزا ہو جائے بس (Execution) نہیں ہوا ہو۔ یہ معاملہ ہوا انکے ساتھ ورنہ یہ مستحق ہو چکے تھے آخری بربادی تباہی کے۔ لیکن اللہ نے انکو ایک اور موقعہ دیا 600 برس بعد حضرت مسیحؑ کے محمد رسول اللہ کی بعثت ہوئی اور یہ اس قوم پر اللہ کا اتنا بڑا فضل تھا اتنا بڑا فضل تھا اب پھر ایک موقعہ دیا اللہ نے فرمایا دیکھو اب بھی ہم تمھیں موقعہ دے رہے ہیں تمھارا رب اب بھی تم پر فضل کرنے کو تیار ہے رحم کرنے کو تیار ہے۔ اس قرآن کے سایہ میں آجاؤ یہ ہدایت ہے اس میں داخل ہو جاؤ محمدؐ کی تصدیق کرلو امت محمدی میں آجاؤ اب بھی ہم تمھارے گناہ بخش دینگے۔ لیکن انھوں نے پھر نافرمانی کی پھر جھٹلایا حالانکہ حضور اکرمؐ کو تو وہ ایسے پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو اپنی تکبر اور انا کی وجہ سے انھوں نے انکار کیا

بہر حال خلاصہ کلام یہ ہے کہ دو مرتبہ انکا حرم گرا دیا گیا یعنی ہیکل سلمانی انکو وہ دوبارہ تعمیر کرنا ہے اسکے لئے وہ اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور وہاں کے مسلمان انکو ایسا کرنے کے لئے رکاوٹ بن رہے ہیں تو انکو انھوں نے مارنا پیٹنا شروع کیا جو کہ اب تک چلا آرہا ہے۔ جو حالات ہیں اس سے تو آپ خوب واقف ہونگے۔

موجودہ وقت میں ہمارا کردار کیا ہونا چاہئے؟:

(۱): سب سے پہلے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر جو مظالم ہو رہے ہیں انکو ختم فرمائے بچوں کی بڑوں کی بھرپور حفاظت فرمائے۔

(۲): اپنے سوشل میڈیا اکاونٹس کا فائدہ حاصل کریں اس میں (Posting) کریں (Stories) میں لگائیں اپنا (Stand) لیں۔

(۳): اسرائیلی پروڈکٹس کا بھرپور (Boycott) کریں جتنے بھی اسرائیلی (Products) ہیں (Google) میں سرچ کریں اور استعمال سے گریز کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان غدار و خبیث یہودیوں کی چالوں سے آگاہ فرمائے اور مظلوم فلسطینیوں کی مدد فرمائے آمین ثم آمین۔

(مابقیہ) افادات بجنوری

(مفتی محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم العالیہ کے ملفوظات)

از مفتی ندیم علی صاحب قاسمی نزل

فرمایا: میرے بزرگوں اور بھائیوں اگر ہمارے درمیان یہ معیار عام ہو جائیں کہ ہم ہر کام اللہ کی رضا کو سامنے رکھ کر کرنے لگیں گے تو سیرت کا پیغام بھی تبھی ہمارے ذریعے سے پہونچ سکے گا اب تو صورت حال بہت ہی خراب ہے اگر اسی موضوع پر بات کیا جائے تو شاید گھنٹہ پورا ہو جائے اور وہ مثالیں مکمل نہ ہوں کہ ہم لوگ نیت کے سلسلہ میں کتنی خرابی کا شکار ہیں۔ دینی کام کرنے والے تمام لوگ، اس میں نمبر ایک پر علماء آتے ہیں۔ نمبر دو پر علماء کا تعاون کرنے والے مدرسوں کا تعاون کرنے والے اصحاب ثروت آتے ہیں یہ جو دیندار مزاج رکھتے ہیں اور دین سے محبت بھی رکھتے ہیں۔ ان کا جو طریقہ ہے وہ بھی سامنے ہیں۔ ہر ہر قدم پر شیطان ہماری نیتوں پر حملہ کر کے ہمارے اعمال کی قدر کو ختم کر دیتا ھے حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا۔ **انما الاعمال بالنیات** (بخاری) کہ اعمال کی قیمت نیت سے تعلق رکھتی ہے تو ہم سب دعا کریں کہ اللہ تعالی ہمارے دلوں کی اصلاح کر دے۔ جو نیت اللہ کو اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند ہے وہ ہم سب کو عطا فرمائے، اس نیت سے ہم آگے بڑھیں گے تو ہماری زبان سے نکلنے والا پیغام دنیا تک پہنچے گا۔

موجودہ حالات اور سیرت کا پیغام:

(حضرت نے عاجزی ظاہر کرتے ہوئے فرمایا) ہمیں حالات کا پتہ ہے نہ سیرت کا پتہ ہے دو چار باتیں جو جانتے ہیں اس کو اس سے جوڑ کر عرض کرتے ہیں کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حالات یہ ہیں کہ فلاں پارٹی کی حکومت ہے اور وہ وہ مسلمانوں کی مخالف۔ ہے اور اس کا طریقہ مسلمانوں کے ساتھ انصاف کا نہیں ہے۔ اور ملک کی اکثریت کے ذہنوں میں زہر گھولا جا رہا ہے۔ یہ سچائی اپنی جگہ ہے۔

لیکن کیا یہ اصل حالات ہیں مسلم قنوں! آپ بحیثیت مسلمان کے ایک بات بتائیں کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے؟ یا کسی کی مرضی سے اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ تعالی کروا رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے ہیں چھوٹے سے تھے اللہ کے نبی ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا یا **غلام اعلمك كلمات** کہ میں تمہیں چند باتیں سکھاتا ہوں امید ہے کہ اللہ تم کو اس سے نفع دیگا چند جملے فرمائے۔ پہلی بات فرمائی **احفظ الله احفظكالله** کے احکام کی حفاظت کرو اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔

شیخ المعقولات والمنقولات حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ

از محمد مدثر الصالحی

آپ دارالعلوم دیوبند کے صدرالمدرسین اور شیخ الہندؒ کے مایہ ناز شاگردرشید اور خلیفہ اجل تھے۔

خاندان: حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتم دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں:

حضرت (علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی) مرحوم کی اصل پنجاب ہے ان کے پردادا آج سے تقریباً کئی سو برس پہلے ضلع جھنگ سے ہندوستان آئے اور جونپور میں آکر بس گئے۔ ایک عرصہ بعد وہاں اسباب معیشت تنگ ہوجانے کے بعد ان کے خاندان کا کچھ حصہ بہار میں جا کر آباد ہوگیا اور مولانا کے پردادا اپنے خاندان سمیت بلیا میں جاکر آباد ہوگئے۔ اس طرح مولانا کی اصل پنجاب ہے۔ (تذکرہ علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ ص16 بحوالہ علامہ کی یاد مارچ 1968ء ص29)

ولادت: آپ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحبؒ کے یہاں پیدا ہوئے آپ عبدالرحیم صاحب کی سات اولاد میں سب سے چھوٹے تھے۔

تعلیم: آپ حفظ قرآن اور دینیات کی تعلیم اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا عبدالرحیم سے حاصل کی پھر اپنے وطن جونپور میں ایک مدرسہ میں جہاں پر علامہ کے والد نے تعلیم حاصل کیا تھا داخل کیا گیا پھر دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث کے لئے تشریف لائے لیکن اس سال شیخ الہندؒ کے مشورے سے مشکوۃ شریف دیوان متنبی، ھدایہ وغیرہ پڑھی پھر اور وہی اپنی تعلیم مکمل فرمائی۔

دستارفضیلت: 1328ء میں دارالعلوم میں ایک عظیم الشان جلسہ دستار بندی منعقد ہوا جس میں علامہ انورشاہ کشمیریؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ کو بھی دستار فضیلت سے نوازا گیا۔

اساتذہ: جناب مولانا حکیم جمیل الدین صاحب نگینوی۔

مولانا محمد فاروق صاحب چریاکوٹی۔

حضرت مولانا عبدالغفار صاحب۔

حضرت مولانا ہدایت اللہ صاحب رامپوری۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی۔

مولانا الحاج حکیم محمد حسن صاحب۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی۔

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب۔

حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی۔

بیعت وخلافت: آپ اولاً شیخ الہندؒ سے بیعت ہوئے اور حضرت سے اجازت بھی ملی ہے پھر حضرت کی وفات کے بعد شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے تعلق قائم کیا اور رائے پوریؒ نے اجازت بیعت سے سرفراز فرمایا پھر حضرت شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ سے بھی اجازت بیعت ارشاد ملی ہے۔

تدریس: آپؒ نے اولاً شیخ الہندؒ کے حکم پر مدرسہ عالیہ فتح پوریؒ میں تدریسی خدمت انجام دی پھر دوسال تک مرادآباد میں اپنے فیض کو جاری کیا پھر دارالعلوم دیوبند میں آپ کا انتخاب عمل میں آیا۔اسی دوران شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنیؒ کی وفات کے بعد صدرالمدرسین بنائے گئے۔آپؒ اس سے قبل ایک سال کے لئے مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں بھی صدرالمدرسین رہے ہیں پھر رمضان کی تعطیل میں اپنے وطن بلیا گئے تو وہاں باصرار مدرسہ دارالعلوم مؤضلع اعظم گڑھ میں صدرالمدرسین رہے۔آپؒ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ تقریباً 8 ماہ کے لئے جامعہ ڈابھیل تشریف لے گئے تھے جہاں پر درس حدیث دیا ہے۔پھر مدرسہ عالیہ فتح پوری میں بھی مسند صدارت کو رونق بخشی ہے۔

طرز تدریس: مولانا بلیاوی کا سبق بہت شاہانہ ہوتا تھا، آواز بہت تیز نہیں تھی، بالکل اس طرح پڑھاتے تھے جیسے گفتگو کرتے ہوں، مگر ہر طالب علم کوشش کرتا تھا کہ ان کی ہر بات کان میں پڑ جائے، اس لئے بہت غور سے سنتے تھے۔وہ کم بولتے تھے مگر جو کچھ بول دیتے تھے، وہ حرف آخر ہوتا تھا، اسی لئے حضرت شیخ (شیخ الاسلام حضرت مدنی) فرماتے تھے کہ اگر مولانا ابراہیم صاحب پہلے وقتوں میں ہوتے تو آج ان کے اقوال نقل کئے جاتے۔(تذکرہ علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ ص128)

وفات: 24 رمضان المبارک 1387ھ مطابق 27 دسمبر 1967ء بروز بدھ بوقت صبح ساڑھے گیارہ بجے آپ دارفانی سے دار بقا کی طرف کوچ فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون پھر بعد ظہر غسل دے کر ساڑھے تین بجے نماز جنازہ ادا کر کے قبرستان قاسمی میں دفن کر دیا گیا۔

تعارف شخصیت: دور حاضر کے مشہور عالم دین محدث شہیر حضرت مولانا محمد انظر شاہ کشمیری رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں: طویل القامت سروقد، گھنی داڑھی، لانبا کرتا، سر پر دستار، گلے میں پوربی انداز کا رومال، ہاتھ میں چھڑی جوان کی طویل القامتی پر خوب زیب دیتی۔آگے اور پیچھے طلباء اور اساتذہ کا غول، چلتے چلتے سڑک پر رک جانا اور بات کرنا، پھر قدم اٹھانا اور پھر ہرنی کی طرح نظر ڈالنا ان کی عادت تھی، جوانی میں ورزش اور اخیر عمر تک شام کی تفریح وہواخوری کے عادی رہے، عفو وصلح متحمل ووقار طبیعت کی خاص افتاد تھی۔غیض وغضب بلکہ غصہ سے ناواقف تھے(تذکرہ علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ ص115)

تصنیفات: ۱۔مصافحہ۔۲۔تراویح۔۳۔انوارالحکم۔۴۔سلم کی شرح ضیاء النجوم۔۵۔میبذی اور خیالی پر بھی حاشیہ لکھے تھے جو ضائع ہو گئے۔۶۔آخری عمر میں جامع ترمذی پر بھی حاشیہ لکھ رہے تھے لیکن زندگی وفا نہیں کی۔

اولاد: علامہؒ کی چار اولاد تھی ایک صاحبزادے جن کا نام مولانا قاری محمد نعمان صاحب ہے۔اور تین صاحبزادیاں جن کا نام ۱۔بریرہ ۲۔منیبہ۔۳۔صفیہ ہے۔

مدعیانِ نبوت کی پیشن گوئی اوران کی علامات

مفتی اصغرعلی صاحب چکم گلورتمہیدی کلمات

اللہ تعالی نے انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے انسانوں میں ہی سے بعض نفوس قدسیہ کومنتخب فرمایا ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک بے شمار انسانوں کونبوت سے سرفراز فرمایا ہے۔نبوت ورسالت عطاء خداوندی ہوتی ہے،انسان کی محنت و مجاہدہ کواس میں کوئی دخل نہیں ہے،یعنی انسان اپنی طاقت اورمحنت سے نبی نہیں بن سکتا۔آدمی اپنی محنت سے انجینیئر اورڈاکٹر بن سکتا ہے،عالم و مفتی بن سکتا ہے،شاعرواد یب بن سکتا ہے،صدروزیراورسپہ سالار بن سکتا ہے،الغرض دنیا کی ہرڈگری حاصل کرسکتا ہے،لیکن نبی نہیں بن سکتا، رسول نہیں بن سکتا،اورحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعدنہ کوئی نبی بنایا جاسکتا ہے نہ رسول،کیونکہ نبوت ورسالت بند ہوچکی ہے،تاقیامت اب کوئی رسول اور نبی نہیں بنایا جائے گا۔"ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین"۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگرکوئی نبوت ورسالت کا دعوی کرتا ہے تو وہ نا قابل قبول مردود،ملعون اورکذّاب ہے،بلکہ کافراوراسلام سے خارج ہے۔

حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:"ان الرسالة و النبوة قد انقطعت فلارسول بعدی و لا نبی"یعنی میرے بعد رسالت ونبوت دونوں ختم ہیں،ایک جگہ ارشادفرمایا: یااباذرٍ (رضی اللہ تعالی عنہ)اول الانبیاء آدم وآخرہ محمد۔اے ابوذرسب سے پہلے نبی آدم اور آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:ان مثلی و مثل الانبیاء من قبلی ، کمثل رجل بنی بیتا فأحسنه و أجمله, الا موضع لبنة من زاوية, فجعل الناس يطوفون به, ويعجبون له, ويقولون هلا وضعت هذه اللبنة؟قال:فانا اللبنة وأنا خاتم النبيين۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی:

لیکن بعض انسانوں نے بزعم خودپرستی اپنے کواس منصب پرفائض کرنے کی کوشش ہرزمانے میں کی ہےاورجھوٹی نبوت کا دعوی کرنے میں دریغ نہیں کیا جب کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشنگوئی فرمائی ہے:"انه سيكون فی امتی كذابون ثلاثون كلهم يزعم انه نبی الله انا خاتم النبيين لا نبی بعدی"۔عنقریب میری امت میں (بڑے بڑے) تیس جھوٹے ہوں گے ان میں سے ہرایک اپنے بارے میں دعوی کرے گا کہ میں اللہ کا نبی ہوں حالانکہ میں خاتم نبیین ہوں میرے بعدکوئی نبی نہیں۔ایک اورجگہ ارشاد ہوا:"لا تقوم الساعة حتی يبعث دجالون كذابون كلهم يزعم انه رسول الله"(رواہ البخاری)

ایک جگہ ارشادفرمایا:"ليكونن قبل يوم القيامة المسيح الدجال و كذابون ثلاثون او اكثر"(مسنداحمد)

ایک اورروایت میں ہے:لاتقوم الساعة حتی يخرج ثلاثون دجالون كلهم يزعم انه رسول الله"۔(ابی داؤد)

صادق ومصدوق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پیشن گوئی کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک حیات ہی میں جھوٹے

مدعیان نبوت ظاہر ہونا شروع ہو چکے تھے۔

چنانچہ مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، طلیحہ کے نام اسی حیثیت سے اسلامی تاریخ میں محفوظ ہیں، پھر مختلف زبانوں میں مختلف مقامات پر جھوٹے مدعیان نبوت ظاہر ہوتے رہے، تاریخ بتاتی ہے کہ جھوٹے مدعیان نبوت میں سے بعض کو ہزاروں کی تعداد میں پیروکار بھی ملے ہیں، مگر ان میں سے اکثروں کو کامیابی نہیں ملی۔ حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: اکثر ایسے مدعیوں کو کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور احباب کی طرح اٹھے اور بیٹھ گئے۔

معیار نبوت ورسالت:

یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ نبوت ورسالت ایک ربانی والٰہی فریضہ ہے اور اس غیر معمولی ذمہ داری کے لیے اللہ تعالی نبوت ورسالت سپرد کرنے سے پہلے صفات حمیدہ وخصائل ستودہ سے نوازتا ہے، تاکہ نبوت سے پہلے کی زندگی بھی تمام لوگوں کی نگاہ میں پاک وصاف اور نفیس وطیب ہو۔ نبوت ملنے کے بعد انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی زندگی اسوہ اور نمونہ ہوا کرتی ہے۔ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی شناخت اور پہچان کے لیے مندرجہ امور ملحوظ ہوتے ہیں۔

خصوصیت انبیاء:

(۱) انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام فرمان الٰہی اور احکام خداوندی کی پیروی کرتے ہیں۔

(۲) انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا نفس اطاعت خداوندی میں ہمیشہ ان کے تابع اور مطیع ہوتا ہے۔

(۳) یہ خاصۂ نبوت ہے کہ بغیر کسی مجاہدہ وریاضت کے نفس میں انابت واطاعت کی شان حق تعالی کی جانب سے بدرجۂ اتم واکمل دی جاتی ہے۔

(٤) انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اللہ تعالی کی معصیت سے معصوم ہوتے ہیں۔

(٥) انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی عقل وشعور اور فہم وفراست، دانائی وبصیرت عالم کے تمام انسانوں اور لوگوں کی عقل وفراست سے بہت اعلی وارفع اور اکمل وانور ہوتی ہے، جس کا تصور بھی عام انسانوں میں نہیں ہوسکتا۔

(٦) نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے ادراکات اور عام انسانوں سے بہت زیادہ سریع اور تیز ہوتے ہیں۔

(۷) انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو نبوت ورسالت سے قبل ہی حق وصداقت، کے ساتھ صواب رائے، اور حق فہمی کی سرعت، رائے اور قوت اظہار رائے، عام لوگوں کے مقابلے میں قوی اور مضبوط دی جاتی ہے۔

(۸) حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا حافظہ اور قوت یادداشت تمام لوگوں سے زیادہ قوی اور زیادہ تیز ہوتا ہے۔

(۹) حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام طاقت میں ہر اعتبار سے ظاہراً وباطناً قوی تر ہوتے ہیں، بڑے سے بڑے پہلوان بھی ان کا مقابلہ

نہیں کرسکتے۔

(۱۰) حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں افہام وتفہیم، فصاحت وبلاغت، سخن اور دل کشی ایسی ہوتی ہے کہ ان کے زمانے میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

(۱۱) حضرت انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سیرت واخلاق کے نہایت نیک خصلت اور نیک طینت ہوتے ہیں۔خلوص وللّٰہیت ان کے اخلاق فاضلہ کی شہادت پیش کرتے ہیں اور قرآن مجید نے ان کے متعلق کہا: ’’انک لعلی خلق عظیم۔

(۱۲) حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نہایت خوبصورت اور حسین وجمیل ہوتے ہیں آواز وکلام نہایت عمدہ و پاکیزہ، خش کن اور غیر معمولی موثر ہوتی ہیں۔

(۱۳) آسمانی وحی سے ان کا رابطہ قائم رہتا ہے اور وحی الٰہی کے ذریعے ان کو غیب کی خبریں پہنچتی ہیں کبھی فرشتے کے واسطے سے کبھی بلاواسطے۔

(۱٤) غیب کی وہ خبریں عظیم فائدہ والی ہوتی ہیں اور عقل کے دائرے سے بالاتر ہوتی ہیں انبیاء علیہم السلام بذریعہ وحی جو خبریں دینے والے دیتے ہیں ان کو انسان نہ عقل وفہم کے ذریعے معلوم کرسکتا ہے نہ مادی حالات وحواس سے ان کا علم ہوسکتا ہے۔

(۱۵) معجزہ: (نبی کے پاس معجزے کی طاقت ہوتی ہے) الغرض انبیاء منصب رسالت کی شان کے مناسب اہلیت وقابلیت عقل وفہم میں یگانا روزگار ہوتے ہیں۔

جھوٹے مدعیان میں ان اوصاف کا فقدا:

حفظ کامل، عقل کامل، علم کامل، عصمت کاملہ، صداقت وامانت، عدم توریث (نبی نہ تو وارث ہوتا ہے نہ اس کا کوئی وارث ہوتا ہے) زہد وتقویٰ اعلیٰ حسب ونسب، مردِ کامل، اخلاق کاملہ یہ سب جھوٹے مدعیان نبوت میں نہیں پائے گئے ہیں۔تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات بہت واضح ہوتی ہے کہ جنہوں نے بھی حضور خاتم الانبیاء کے بعد نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہے ان میں اخلاق حمیدہ بالکل مفقود ہوتے ہیں اور ان کی عقل وفراست ایک بچے سے بھی کم نظر آتی ہے سچے اور جھوٹے نبی میں فرق:

(۱) سچے انبیاء کسی استاد کے شاگرد نہیں ہوتے تمام انبیاء امی ہیں۔

(۲) سچے نبی اپنی نبوت کا اعلان مخلوق کے روبرو یک دم کرتے ہیں بتدریج نہیں، جبکہ جھوٹے نبی بتدریج نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

(۳) سچے نبی کا نام مفرد ہوتا ہے جبکہ جھوٹے مدعیان نبوت کے نام مرکب نظر آتے ہیں۔

(٤) سچے نبی کوئی ترکہ نہیں چھوڑتے۔

(٥) سچے نبی جہاں وفات پاتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں بلکہ سچے نبی جہاں وفات پسند کرتے ہیں وہیں ان کی روح قبض کی جاتی ہے۔

(٦) سچے نبی کو اسی لباس میں غسل دیا جاتا ہے جس میں ان کی روح قبض ہوتی ہے ان کا کپڑا نہیں اتارا جاتا۔

(۷) سچے انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

(۸) سچے نبی فریضۂ نبوت پر اجرت نہیں لیتے۔

(۹) سچے نبی پر کتابیں نازل ہوتی ہیں، وہ کتاب نہیں لکھتے۔

(۱۰) سچے نبی شاعر نہیں ہوتے۔

(۱۱) سچے نبی کی پیشنگوئی ہوتی ہے۔

(۱۲) سچے نبی اپنے سے پہلے انبیاء کی تعظیم کرتے ہیں۔

(۱۳) سچے نبی کو کبھی جمائی نہیں آتی۔

(۱٤) نبی اپنی ذات کا انتقام نہیں لیتے۔

(۱۵) سچے نبی مستجاب الدعوات ہوتے ہیں۔

آپ اگر ان مدعیان نبوت کے جھوٹے انسانوں کی زندگیاں دیکھیں تو معلوم ہوجائے گا کہ ان میں یہ مذکورہ فرق ہر کس و ناکس کو نظر آتا ہے۔

فہم حدیث میں مغالطہ:

ملت اسلامیہ کے جیالو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی کے مطابق جھوٹے مدعیان نبوت کا سلسلہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی شروع ہو چکا تھا اب سوال یہ ہے کہ صرف تیس یا کچھ زائد ہی مدعیان نبوت پیدا ہوں گے یا اس حدیث کا صحیح مفہوم اور ہے؟ جواب یہ ہے کہ اب تک کی تحقیق کے مطابق جھوٹے مدعیان نبوت کی تعداد تقریباً تیس ہزار سے زائد ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے جن تیس یا زائد جھوٹے مدعیان نبوت کی پیشن گوئی کی ہے وہ ان جھوٹے دعویداروں کے متعلق ہے جن کا فتنہ کافی عرصہ رہا اور اس فتنے کی نوعیت عالمگیری رہی، ایسے جھوٹے مدعیان صرف بیس یا بائیس ہی ہیں۔ عہد رسالت کے مدعیان نبوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر واضح پیشن گوئیوں کے باوجود کچھ کوڑھ مغز اور بدبختوں نے جھوٹی نبوت کا دعوی کیا اور اپنے دعووں کو مضبوط کرنے کے لیے اپنی تمام تر شیطانی طاقتوں کا بھرپور استعمال کیا۔ جس طرح ایک نبی کے ساتھ اللہ تعالی کی مکمل مدد ہوا کرتی ہے وحی الہی کے ذریعے مستقل ان کی رہبری کی جاتی ہے بالکل عین اسی طرح شیطان بھی اپنے پیروکار کی طرف وحی بھیجتا ہے۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے "وانی الشیاطین لیوحون الی اولیائھم" جتنے لوگ مدعی نبوت ہوئے سب نے نبوت کے دعوے کے ساتھ وحی کا بھی دعوی کیا۔ مسیلمہ کذاب مستقل جھوٹی وحی کو گڑھا کرتا تھا۔ جوان عورتوں کو دیکھ کر ان کے شہوات کو ابھارنے کے لیے ایسی وحی گڑھتا کہ اس کی صد سالہ پیرانہ سالی کے باوجود جوان عورتیں اس پر فریفتہ ہوجایا کرتی تھیں۔ اسود عنسی کے ارد گرد ہمیشہ اس کے موکل شیاطین رہا کرتے تھے جو اس کی جان کی حفاظت کیا کرتے تھے جو کوئی بھی خطرہ محسوس کرتے تو عنسی کو آگاہ کر دیتے اور عنسی چوکنا ہوجاتا تھا۔ ویسے بھی شیطان کا معمول ہے کہ وہ

طرح طرح کی نورانی شکلیں اختیار کر کے بے رشد ریاضت کشوں کے پاس آتا ہے اور طرح طرح کے سبز باغ دکھا کے کسی سے کہتا ہے کہ تو ہی مہدی ہے کسی کے کان میں پھونکتا ہے کہ تو ہی مسیح معود ہے، کسی کو حلال و حرام سے مستثنی قرار دے کر اس کو نبوت کے درجے کا احساس دلاتا ہے۔اور یہ کام بڑے بڑے جلیل القدر اولیاء کے ساتھ پیش آیا ہے، سرتاج اولیاء سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی متعدد مرتبہ پیش آیا ہے۔

الغرض آدمی جب بھوکہ رہے کم سوئے ریاضت و مجاہدہ کرے تو اس سے اس نفس کشی پر بعض ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو خرق عادت ہوا کرتے ہیں اور یہ استدراج ہوتا ہے، مگر لوگ اس کو کرامت سمجھ کر اس کے دام تزدیر میں پھنس جاتے ہیں اور اپنے ایمان کا سودا کر لیتے ہیں۔ چنانچہ عبدالملک بن مروان کے زمانے میں حارث نامی شخص نے اپنی شعبدہ بازی کو لوگوں کے سامنے پیش کیا اور نبوت کا دعوی کر بیٹھا، بادشاہ وقت کے حکم سے جب ہاتھوں اور پیروں میں ہتھکڑیاں پہنائی جاتی تو اس کے ہاتھوں پیروں سے ہتھکڑیاں فوراً کھل جایا کرتی تھیں، پھر وہ لوگوں سے کہتا دیکھو دیکھو میرے پاس فرشتوں کا لشکر ہمیشہ آسمان میں تیار کھڑا رہتا ہے، پھر لوگوں کو دکھاتا تو واقعی آسمان پر گھوڑ سواروں کا بڑا لشکر دکھائی دیتا حالانکہ وہ شیطانوں کا لشکر ہوا کرتا تھا، فرشتوں کا نہیں۔

جس دم اس کی گرفتاری ہوئی نہ ہاتھوں میں بیڑی ٹھہرتی تھی نہ ہی تیز دھار نیزہ کا اثر اس پر ہوا کرتا تھا، خلیفہ نے کہا کہ بسم اللہ کہہ کر نیزہ چلاؤ، چنانچہ بسم اللہ پڑھتے ہیں نیزہ نے اس کا کام تمام کر دیا اس طرح اس کا وہ شیطانی لشکر بھی غائب ہو گیا یہی حال کچھ مغیرہ بن سعید، بیان بن سمعان، صالح بن طریف کا بھی تھا شمالی افریقہ میں سن 135 ہجری میں عباسی دور میں ایک اسحاق اخرس نے نبوت کا دعوی کیا، اس کا ماجرہ کچھ یوں تھا کہ پہلے اس نے آسمانی کتابیں توریت، زبور، انجیل اور قرآن کی تعلیم حاصل کی پھر مروجہ تمام علوم کو حاصل کیا مختلف زبان سیکھی اور مختلف صنعتوں میں ماہر ہو گیا، حتی کہ شعبدہ بازیوں میں بھی ماہر ہو گیا پھر اچانک اصفہان میں آیا اور ایک مدرسے میں فروکش ہو گیا اور اپنے آپ کو گونگا ظاہر کیا دس سال اسی حالت میں گزارے کسی کو وہم بھی نہیں ہوتا کہ یہ بناوٹی گونگا ہے، تنگ و تاریک کمرے میں رہا کرتا تھا، پھر نہایت رازداری کے ساتھ ایک نفیس قسم کا روغن اس نے تیار کیا، اس روغن کی خصوصیات تھی کہ جو کوئی اس کو چہرے پر ملتا تو اس درجہ حسن اور نورانیت پیدا ہو جاتی کہ شدتِ انوار سے کوئی اس کو دیکھنے کی تاب نہ لاتا تھا، اس کے ساتھ رنگین شمع بھی تیار کی پھر ایک رات اس رنگین شمع کو روشن کر کے اس تیل کو چہرے پر مل کر اچانک چیخنا شروع کر دیا لوگ آدھی رات میں نیند سے گھبرا کر دوڑے جب اس کے پاس آئے اور مدرسے کا پورا عملہ دوڑ کر آیا تو اس کے حسن و خوبصورتی سے آنکھیں چکا چوند ہوئی جا رہی تھی۔

پھر وہ اچانک لوگوں کو دیکھتے ہی نماز میں کھڑا ہو گیا اور ایسی پر سوز آواز میں قرآن کی تلاوت کرنے لگا کہ وہاں موجود بڑے بڑے قراء عش عش کرنے لگے، مدرسے کے تمام اساتذہ قاضی شہر اور وزیر اعظم پر تک اس کا جادو چل گیا۔ قاضی شہر جب اس کے کمرے میں پہنچے تو قفل پڑا ہوا تھا اجازت چاہی تو اس نے اپنی شعبدہ بازی کی کہ قفل بغیر کیلی کے کھل گیا اس کو دیکھ کر بھی بڑے بڑے صاحب علم شش و پنج میں رہ گئے، پھر اس نے اپنی دعوت سنائی کہ رات میں میرے پاس فرشتے آئے پھر مجھ کو وحی سے نواز کر نبوت عطا کی میں نے انہیں کہا کہ آخری نبی

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، میں کیسے نبی ہوسکتا ہوں، تو فرشتوں نے کہا کہ تم سچ کہہ رہے ہو مگر تم بھی ان کی اتباع میں ظلی اور بروزی نبی ہو، اس طرح اس نے پورے دس سال کی شعبدہ بازی کے ذریعے لوگوں کو اپنے دام نبوت کا ذبہ میں پھانس لیا اور معجزات کے طور پر اس نے بتایا کہ مجھے پچھلی تمام کتابوں کا علم دیا گیا جبکہ ان تمام علوم کو وہ پہلے ہی سے حاصل کر چکا تھا، پھر ایک زمانے میں مختار ثقفی جو خارجی تھا اس کا فتنہ عروج پر ہوا، پہلے اس نے قاتلینِ حسین کے بدلے کا عنوان دیا جب لوگ اس کے ہمنوا ہوئے تو نبوت کا دعوی کر دیا۔

اس زمانے میں ایک تیلی کے پاس ایک پرانی لوہے کی کرسی تھی وہ کسی طرح اس کے ہاتھ لگ گئی تو اس نے اس کو خوب مرصع کیا اور لوگوں کو یہ باور کرایا کہ جس طرح بنی اسرائیل کے پاس تابوت سکینہ تھا بالکل اسی طرح اللہ تعالی نے مجھ کو بھی تابوت سکینہ کے طور پر یہ کرسی جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھا کرتے تھے دیا ہے ہم اس کرسی کے ذریعے دشمنوں پر فتح حاصل کریں گے، ابراہیم اشتر ایک جانباز سپہ سالار اس کے ہاتھ لگ گیا جس نے اس کے ساتھ مل کر تمام جنگوں میں فتح حاصل کی مگر اس نے کرسی کا کمال سمجھا یا اسی وجہ سے جب ابراہیم اشتر اس سے جدا ہوا تو ہر جگہ مختار ثقفی شکست خوردہ ہو گیا۔

اس نے ایک مرتبہ جنگ میں کہا کہ میری اس جنگ میں فرشتوں کی مدد کبوتروں کی شکل میں آئے گی، پھر ایک آدمی کو ڈھیر سارے کبوتروں کے ساتھ بھیج دیا جس نے لڑائی کے دوران کبوتروں کو اڑا دیا جس کو دیکھ کر سب لوگوں کو یقین آ گیا کہ آسمان سے فرشتے آ چکے ہیں پھر پوری جانبازی کے ساتھ لڑتے رہیں تا آنکہ فتح حاصل کر لی۔ پھر مختار اپنے خطوط میں اپنے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھنے لگا بالآخر حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کے ہاتھوں یہ مارا گیا، اس طرح اس کی جھوٹی نبوت کی عمارت خاکستر ہو گئی۔ اسی طرح ہر ایک نے شیطانی دھوکے میں آ کر نبوت کا دعوی کیا پھر باطل نے ہر طرح اس کی مدد کی تو وہ فتنہ کچھ دنوں دور تک چلا مگر دیر تک نہ چل سکا۔ حتی کہ ہمارے اس دور میں جن خبیث الفطرت لوگوں نے دعویٔ نبوت کیا ہے ان کی پشت پناہی یہی شیاطین اور اسلام دشمن طاقتیں کر رہی ہیں۔

ہمارے اس دور کا سب سے بڑا فتنہ قادیانیت ہے جو آزادیٔ ہند سے پہلے انگریزوں کی کوشش سے پنجاب کے ایک علاقے قادیان سے نمودار ہوا، جس نے سب سے پہلے ان مسلمانوں کے خلاف قدم اٹھایا جو مسلمان انگریزوں کو غلط سمجھ کر ان کے خلاف جہاد کرنے کے لیے سینہ سپر تھے، پھر دھیرے دھیرے اس نے تدریجاً ہندوؤں کے اوتار کا دعوی کیا پھر مہدی پھر عیسیٰ اور پھر دعویٔ نبوت کر بیٹھا اور جتنی پیشنگوئیاں اس نے کی سب جھوٹی ثابت ہوئیں، انجام کار مالیخولیا بیماری میں مبتلا ہو کر ناگفتہ بہ حالات میں اس دنیا سے چل بسا مگر اس کے مکر و فریب کو اسلام دشمن طاقتوں زندہ رکھنے کی بھرپور کوشش کر رہی ہیں، اس فریب کاری کے لیے آیت قرآنیہ و آحادیث نبویہ کے ذریعے قسم قسم کے استدلالات کر رہے ہیں۔ مگر ہمارا فرض ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر آنکھ بند کر کے ایمان لے آئیں، کیونکہ وہ نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اطلاع امت کو دی ہے۔

(از: مفتی حسن گودھروی ﷾)

وہ شہرِ غزہ جس میں مقتل سجا ہے
وہاں اڑ کے جانے کو جی چاہتا ہے

وہاں جا کے معصوم بچوں کو لیکر
تڑپ کر اٹھانے کو جی چاہتا ہے

سنا ہے مہکتی ہیں گلیاں وہاں کی
کہ خونِ شہیداں سے رنگین وہ ہیں

وہ خونِ شہیداں جو عنبر سے بہتر
بدن سے لگانے کو جی چاہتا ہے

میں اقصی میں جا کر پڑھوں کچھ نمازیں
وہاں جا کے چوموں مبارک زمیں کو

مجاہد کے قدموں سے لیکر کے مٹی
پلک میں سجانے کو جی چاہتا ہے

بلکتے ہیں بچے سسکتی ہیں مائیں
نہتے ہیں مظلوم بے بس صدائیں

محاذِ غزہ پر باآواز پر غم
غزل گنگنانے کو جی چاہتا ہے۔